بسم اللہ الرحمن الرحیم

عصمتِ انبیاء علیہم السلام

افادات

متکلم اسلام مولانا محمد الیاس گھمن حفظہ اللہ

امیر: عالمی اتحاد اھل السنۃ والجماعۃ

سرپرست: مرکز اھل السنۃ والجماعۃ 87 جنوبی لاہور روڈ سرگودھا

چیف ایگزیکٹو: احناف میڈیا سروسز

رابطہ: مکتبہ اھل السنۃ والجماعۃ، 87 جنوبی لاہور روڈ سرگودھا

فون نمبرز: 048-3881487, 0321-6353540, 0335-7500510

ای میل: markazhanfi@gmail.com

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

عصمتِ انبیاء علیہم السلام

از افادات: متکلمِ اسلام مولانا محمد الیاس گھمن حفظہ اللہ

چند تمہیدی باتیں:

۱: نبی کی تعریف:

إنسانٌ مبعوثٌ من اللہ معصومٌ عن الخطأ مفروضُ الإتباع.

ترجمہ: نبی اس انسان کو کہتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کی جانب سے بھیجا گیا ہو، خطا سے معصوم ہو اور اس کی پیروی کرنا فرض ہو۔

انسان کی تعریف:

جو محسوس اور ذو عقل ہو۔

- ذو عقل کی دو قسمیں ہیں: 1: کامل 2: ناقص ذو عقل کامل "مرد" اور ناقص "عورت" ہے۔
- عورت کا ناقص العقل اور ناقص دین ہونا:

عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ قَالَ خَرَجَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي أَضْحًى أَوْ فِطْرٍ إِلَى الْمُصَلَّى فَمَرَّ عَلَى النِّسَآءِ فَقَالَ: يَا مَعْشَرَ النِّسَاءِ تَصَدَّقْنَ فَإِنِّي أُرِيتُكُنَّ أَكْثَرَ أَهْلِ النَّارِ فَقُلْنَ: وَبِمَ يَا رَسُولَ اللَّهِ؟ قَالَ: تُكْثِرْنَ اللَّعْنَ وَتَكْفُرْنَ الْعَشِيرَ، مَا رَأَيْتُ مِنْ نَاقِصَاتِ عَقْلٍ وَدِينٍ أَذْهَبَ لِلُبِّ الرَّجُلِ الْحَازِمِ مِنْ إِحْدَاكُنَّ. قُلْنَ: وَمَا نُقْصَانُ دِينِنَا وَعَقْلِنَا يَا رَسُولَ اللَّهِ؟ قَالَ: أَلَيْسَ شَهَادَةُ الْمَرْأَةِ مِثْلَ نِصْفِ شَهَادَةِ الرَّجُلِ؟ قُلْنَ: بَلَى! قَالَ: فَذٰلِكِ مِنْ نُقْصَانِ عَقْلِهَا، أَلَيْسَ إِذَا حَاضَتْ لَمْ تُصَلِّ وَلَمْ تَصُمْ؟ قُلْنَ: بَلَى! قَالَ: فَذٰلِكِ مِنْ نُقْصَانِ دِينِهَا.

(صحیح البخاری: ج1 ص44 کتاب الحیض باب ترک الحائض الصوم)

ترجمہ: حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عید الاضحیٰ یا عید الفطر کے لیے عید گاہ کی طرف تشریف لے گئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم عورتوں کے پاس گزرے تو فرمانے لگے: اے عورتوں کی جماعت! تم صدقہ و خیرات کیا کرو، مجھے دکھایا گیا ہے کہ تمہاری جہنم میں اکثریت ہے۔ عورتیں کہنے لگیں: یارسول اللہ! وہ کیوں؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس کی وجہ یہ ہے کہ تم گالی گلوچ بہت زیادہ کرتی ہو اور خاوند کی نافرمانی کرتی ہو، میں نے دین اور عقل میں تم سے زیادہ ایسا ناقص کوئی نہیں دیکھا جو ایک اچھے بھلے شخص کی عقل کو خراب کر دے۔ عورتیں کہنے لگیں: یارسول اللہ! ہمارا دین اور ہماری عقل میں نقص کیا ہے؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا عورت کی گواہی مرد کی نصف گواہی کے برابر نہیں؟ وہ کہنے لگیں: کیوں نہیں! پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تو یہ اس کی عقل کا نقصان ہے اور جب کسی عورت کو ایام آجائیں تو کیا وہ نماز اور روزہ نہیں چھوڑتی؟ عورتیں کہنے لگیں: کیوں نہیں! تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہی اس عورت کے دین کا نقصان ہے۔

فائدہ: اھل بدعت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو بشر نہیں مانتے۔ اگر بشر کا معنی سمجھ میں آجائے تو اختلاف ختم ہو جائے گا۔

مبعوث من اللہ:

نبوت وھبی ہے نہ کہ کسبی، یہ سلیکشن سے ملتی ہے نہ کہ الیکشن سے، الیکشن کہتے ہیں جسے لوگ چنیں اور سلیکشن کہتے ہیں جسے حکومت چنے۔

فائدہ:

"وہبی" کا معنی ہے کہ عطاءِ نبوت میں عبادات، ریاضات اور مشقتوں کو دخل نہیں، محض اللہ تعالیٰ کے عطا فرمانے سے ملتی ہے۔

"کسبی" کا معنی ہے کہ ریاضت وعبادت کر کے آدمی نبی بن سکتا ہے۔

معصوم عن الخطا:

خطا کے کئی معانی ہیں:

1: مسئلہ قتل میں خطاء؛ عمد کے مقابلے میں ہوتی ہے یعنی قتل عمد اور قتل خطا

قتل عمد کی تعریف:

فَالْعَمْدُ مَا تَعَمَّدَ ضَرْبَهُ بِسِلَاحٍ أَوْ مَا أُجْرِيَ مُجْرَى السِّلَاحِ كَالْمُحَدَّدِ مِنَ الْخَشَبِ وَلِيطَةِ الْقَصَبِ وَالْمَرْوَةِ الْمُحَدَّدَةِ وَالنَّارِ.

(الہدایۃ لعلی بن ابی بکر بن عبد الجلیل: ج8 ص3 کتاب الجنایات)

ترجمہ: قتل عمد یہ ہے کہ ہتھیار یا ہتھیار کے قائم مقام چیز سے کسی کو مارنے کا ارادہ کیا جائے جیسے دھاری دار لکڑی، بانس کا چھلکا، دھار دار پتھر اور آگ۔

قتل خطا کی تعریف:

أَلْخَطَأُ هُوَ أَنْ يَرْمِيَ شَخْصًا يَظُنُّهُ صَيْدًا فَإِذَا هُوَ آدَمِيٌّ أَوْ يَرْمِيَ غَرَضًا فَيُصِيبُ آدَمِيًّا.

(قواعد الفقہ لعمیم الاحسان: ص423)

ترجمہ: قتل خطا یہ ہے کہ انسان کسی شکار کو نشانہ بنائے اور وہ آدمی نکلے یا کسی اور چیز کو نشانہ بنائے اور آدمی کو لگ جائے۔

2: حالت روزہ میں خطاء؛ نسیان کے مقابلے میں ہوتی ہے یعنی "نسیان" کا معنی بھول جانا اور "خطاء" کا معنی کوتاہی کرنا۔

3: اجتہاد میں خطاء؛ صواب کے مقابلے میں ہوتی ہے

عَنْ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ أَنَّهُ سَمِعَ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ إِذَا حَكَمَ الْحَاكِمُ فَاجْتَهَدَ ثُمَّ أَصَابَ فَلَهُ أَجْرَانِ وَإِذَا حَكَمَ فَاجْتَهَدَ ثُمَّ أَخْطَأَ فَلَهُ أَجْرٌ.

(صحیح البخاری: ج2 ص1092 کتاب الاعتصام باب أجر الحاکم إذا اجتہد فأصاب أو أخطأ)

ترجمہ: حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ جب حاکم فیصلہ کرتے ہوئے اجتہاد کرتا ہے اور اجتہاد درست کرتا ہے تو اسے دو اجر ملتے ہیں اور جب فیصلہ کرتے ہوئے اجتہاد کرتا ہے اور اجتہاد میں غلطی کرتا ہے تو اسے ایک اجر ملتا ہے۔

4: نبوت میں خطاء؛ عصیان کے مقابلے میں ہوتی ہے۔

5: ہمارے عرف میں خطاء کئی معانی میں استعمال ہوتی ہے مثلاً بھولنا، غلطی کرنا، کوتاہی کرنا وغیرہ

مفروض الاتباع:

"اتباع" یہ "تبیعۃ" سے ہے اور "تبیعۃ" جانور کے اس بچے کو کہتے ہیں جو ماں کے پیچھے پیچھے چلتا ہے۔ وہ یہ دیکھتا ہے کہ ماں کدھر جاتی ہے، یہ نہیں دیکھتا کہ ماں کیوں جاتی ہے؟! نبوت کی اتباع بھی یوں کی جائے کہ ہر حکم کو من وعن تسلیم کر کے عمل کیا جائے، سمجھ میں آئے تب بھی مانیں اور سمجھ میں نہ آئے تب بھی مانیں۔

صحابی کی تعریف:

وهو مَن لَقِيَ النبيَّ صلى اللهُ عليه وسلّم مؤمناً به، ومات على الإسلام.

(نزھۃ النظر شرح نخبۃ الفکر لاحمد بن علی بن حجر العسقلانی متوفیٰ 852ھ: ص 133)

ترجمہ: صحابی اس شخص کو کہتے ہیں جو حالت ایمان میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ملے اور حالت اسلام ہی پر فوت ہو جائے۔

فائدہ: یہاں لفظ "لقاء" ہے نہ کہ دیکھنا، بات کرنا اور سننا۔ لہذا اگر کوئی اجتماع میں آ جائے تو وہ بھی "لقاء" میں شامل ہے۔ یہاں "لقاء" کا عمومی معنی مراد ہے، لغوی معنی مراد نہیں جسے ملاقات کہتے ہیں۔

مجتہد کی تعریف:

المجتهد: من يحوي علم الكتاب ووجوه معانيه وعلم السنة بطرقها ومتونها ووجوه معانيها ويكون مصيبا في القياس عالما بعرف الناس.

(قواعد الفقہ لمحمد عمیم الاحسان: ص 465)

ترجمہ: مجتہد وہ ہوتا ہے جو کتاب اللہ اور اس کے معانی، سنۃ نبویہ اور اس کی اسانید و متون اور معانی جاننے والا ہو، قیاس میں درستی کو پہنچنے والا اور لوگوں کے عرف کو جاننے والا ہو۔

فائدہ:

مجتہد کی تعریف میں چار چیزیں ملحوظ ہیں:

1: کتاب اللہ کے الفاظ اور اس کے معانی جانتا ہو

2: سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اسانید و متون اور معانی جانتا ہو

3: قیاس میں مصیب ہو

4: عرف کو جانتا ہو

سوال: مجتہد کی تعریف میں "مصیب فی القیاس" ہے حالانکہ مجتہد کبھی مخطی بھی ہوتا ہے!

جواب: "مصیب فی القیاس" کا مطلب ہے "مصیب فی القیاس فی ظنہ"، فی الواقع بے شک خطا پر ہو۔

فائدہ: **عرف** کو بھی مسائل میں دخل ہے۔ جیسا کہ حدیث مبارک میں ہے:

عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ مَسْعُودٍ، قَالَ: قَدْ جَاءَ ابْنُ النَّوَّاحَةِ وَابْنُ أُثَالٍ رَسُولَيْنِ لِمُسَيْلِمَةَ إِلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ لَهُمَا رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «تَشْهَدَانِ أَنِّي رَسُولُ اللَّهِ؟» فَقَالَا: "نَشْهَدُ أَنَّ مُسَيْلِمَةَ رَسُولُ اللَّهِ" فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «آمَنْتُ بِاللَّهِ وَرُسُلِهِ لَوْ كُنْتُ قَاتِلًا رَسُولًا لَقَتَلْتُكُمَا»، قَالَ عَبْدُ اللَّهِ: فَمَضَتِ السُّنَّةُ بِأَنَّ الرُّسُلَ لَا تُقْتَلُ"

(سنن ابی داؤد الطیالسی: ج 1 ص 133 رقم الحدیث 248)

ترجمہ: حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ مسلیمہ کذاب کے دو سفیر عبد اللہ بن نواحہ اور اسامہ بن اُثال آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دونوں سے فرمایا: کیا تم دونوں اس بات کی گواہی دیتے ہو کہ میں اللہ تعالیٰ کا رسول ہوں؟ انہوں نے کہا: ہم یہ گواہی دیتے ہیں کہ مسلیمہ اللہ تعالیٰ کا رسول ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولوں پر ایمان لایا، اگر میں کسی قاصد کو قتل کرتا تو تم دونوں کو قتل کر دیتا۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ طریقہ یہ جاری ہے کہ سفیروں کو قتل نہیں کیا جاتا رہا۔

فائدہ: نبی معصوم، صحابی محفوظ اور مجتہد ماجور ہوتا ہے۔

نبی معصوم... یعنی اللہ تعالیٰ نبی سے گناہ ہونے نہیں دیتے

صحابی محفوظ... یعنی صحابی سے گناہ ہو جاتا ہے لیکن اللہ تعالیٰ نامہ اعمال میں رہنے نہیں دیتے

مجتہد ماجور... یعنی مجتہد سے خطا ہو جاتی ہے لیکن پھر بھی اجر ملتا ہے

۲: نبی کی ضرورت:

اللہ تعالیٰ کا حکم ماننا ضروری ہے۔ اللہ کا حکم اس وقت معلوم ہو گا جب اللہ تعالیٰ کی ذات کو دیکھیں یا بات کو سنیں۔ اس دنیا میں رہ کر نہ تو ہم نے اللہ کی ذات کو دیکھ سکتے ہیں اور نہ ہی بات کو سن سکتے ہیں۔ اس لیے ایسے واسطے کی ضرورت ہے جس نے اللہ کی ذات کو دیکھا یا بات کو سنا ہو بالواسطہ یا بلاواسطہ اور وہ رسول اور نبی کی ذات ہے۔

سوال:

اللہ تعالیٰ کی بات نبی بواسطہ فرشتہ سنتا ہے اور ہم بواسطہ نبی سنتے ہیں۔ تو سننے میں تو دونوں واسطوں کے محتاج ہوئے۔

جواب:

بات سننے سے مراد اللہ تعالیٰ کے خطاب کا مخاطب ہونا ہے اور مخاطب صرف نبی ہوتا ہے، غیر نبی نہیں۔ پھر یہ خطاب بھی عام ہے چاہے براہِ راست ہو یا نبی کے دل میں کوئی بات ڈال دی جائے یا بواسطہ فرشتہ نبی کو کوئی پیغام دے دیا جائے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَمَا كَانَ لِبَشَرٍ أَنْ يُّكَلِّمَهُ اللّٰهُ إِلَّا وَحْيًا أَوْ مِنْ وَّرَآءِ حِجَابٍ أَوْ يُرْسِلَ رَسُوْلًا فَيُوحِيَ بِإِذْنِهٖ مَا يَشَاءُ﴾ (الشوریٰ:51)

ترجمہ: کسی بشر کے لیے ممکن نہیں ہے کہ اللہ اس سے روبرو ہو کر بات کرے، اس کی بات یا تو وحی (یعنی دل میں القاء کرنے) کے طور پر ہوتی ہے یا پردے کے پیچھے سے یا وہ کوئی پیغام رساں (فرشتے) کو بھیجتا ہے جو باذن اللہ جو چاہے وحی کرتا ہے۔

عصمت انبیاء علیہم السلام پر دلائل

﴿قرآن مجید﴾

دلیل نمبر 1:

﴿لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ﴾ (الاحزاب:21)

ترجمہ: حقیقت یہ ہے کہ تمہارے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات میں ایک بہترین نمونہ ہے۔

ف 1: اسوۂ حسنہ اس وقت بن سکتے ہیں جب خود گناہوں سے پاک ہوں

ف 2: "لَكُمْ" میں خطاب حضرات و خواتین دونوں کو ہے۔ مطلب یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال و افعال جو حضرات کے لیے ہیں وہ ان کے لیے اسوہ حسنہ ہیں اور جو اقوال و افعال جو خواتین کے لیے ہیں وہ ان کے لیے اسوہ حسنہ ہیں۔

دلیل نمبر 2:

﴿وَإِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ آيَاتُنَا بَيِّنَاتٍ قَالَ الَّذِيْنَ لَا يَرْجُوْنَ لِقَاءَنَا ائْتِ بِقُرْآنٍ غَيْرِ هٰذَا أَوْ بَدِّلْهُ قُلْ مَا يَكُوْنُ لِيْ أَنْ أُبَدِّلَهُ مِنْ تِلْقَآءِ نَفْسِيْ إِنْ أَتَّبِعُ إِلَّا مَا يُوْحٰى إِلَيَّ﴾

(یونس:15)

ترجمہ: جو لوگ ہماری ملاقات کی امید نہیں رکھتے جب ان کے سامنے ہماری واضح آیات پڑھی جاتی ہیں تو وہ کہتے ہیں کہ کوئی اور قرآن لے کر آؤ یا اس میں تبدیلی کرو۔ اے پیغمبر! ان لوگوں سے کہہ دو کہ مجھے یہ حق نہیں پہنچتا کہ میں اپنی طرف سے اس میں کوئی تبدیلی کروں، میں تو صرف اس وحی کی پیروی کرتا ہوں جو مجھ پر نازل کی جاتی ہے۔

ف: جب پیغمبر حکم شرعی کو بدلنے کے لیے تیار نہیں تو وہ حکم شرعی کی خلاف ورزی کیسے کر سکتا ہے؟!

دلیل نمبر 3:

﴿وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى. إِنْ هُوَ إِلَّا وَحْيٌ يُوحٰى﴾

(النجم 3،4)

ترجمہ: اور یہ اپنی خواہش سے کچھ نہیں بولتے، یہ تو خالص وحی ہے جو ان کے پاس بھیجی جاتی ہے۔

ف: آپ کی ہر بات جب وحی کے مطابق ہے تو اس میں غلطی اور گناہ کا احتمال نہیں ہو گا۔

اشکال:

نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی کئی باتوں کو اللہ رب العزت نے ختم فرما دیا جیسے تحریم عسل۔ آپ کی ہر بات وحی کے مطابق ہوتی تو پھر اللہ تعالیٰ نے آپ کی اس بات پر تنبیہ کیوں فرمائی؟

جواب

یہ ایسے ہی ہے جیسے آیت منسوخ ہو جائے جس طرح آیت کے منسوخ ہونے سے اس کا غلط ہونا لازم نہیں آتا اسی طرح اجتہاد کے ختم کرنے سے اس کا معصیت ہونا لازم نہیں آتا۔

دلیل نمبر 4:

﴿وَمَآ اٰتٰىكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَا نَهٰىكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا﴾ (الحشر:7)

ترجمہ: رسول تمہیں جو کچھ دے وہ لے لو اور جس سے منع کرے اس سے رک جاؤ۔

ف ۱: اس آیت میں امر و نہی میں امت کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کا پابند کیا گیا ہے اور یہ تب ہو سکتا ہے جب آپ کا ہر امر و نہی معصیت سے پاک ہو۔

ف ۲: "اٰتٰی" بمعنی "أَمَرَ" ہے قرینہ مقابلہ میں "نَهٰی" ہے۔ یہاں "اٰتٰی" کا لفظ لائے تا کہ مال فیئ کا حکم اور عام اصول دونوں کو شامل ہو جائے۔

ف ۳: امر و نہی جس درجہ میں ہو اسی درجہ میں اطاعت کی جائے گی، کبھی وجوب کے درجہ میں اور کبھی استحباب کے درجہ میں۔

سوال: اطاعت صحابہ رضی اللہ عنہم و مجتہد کیوں کرتے ہو؟

جواب: اس لیے کہ اطاعت صحابہ رضی اللہ عنہم و مجتہد بھی رسول کا حکم ہے۔

دلیل نمبر 5:

﴿أَتَأْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبِرِّ وَتَنْسَوْنَ أَنْفُسَكُمْ﴾ (البقرۃ:44)

ترجمہ: کیا تم (دوسرے) لوگوں کو تو نیکی کا حکم دیتے ہو اور خود اپنے آپ کو بھول جاتے ہو؟!

ف ۱: حضرات انبیاء علیہم السلام کا کام قوم کو نیکی کا درس دینا ہے۔ تو اگر خود نافرمان ہو جائیں - معاذ اللہ - تو پھر مقصدِ رسالت کو ختم کر کے آیت بالا کا مصداق بن جائیں گے۔

ف ۲: واعظ بے عمل نہ ہو، یہ نہیں کہ بے عمل وعظ ہی نہ کرے۔

ف ۳: ایک گناہ کی وجہ سے دوسرا نیک کام نہیں چھوڑنا چاہیے۔

احادیث مبارکہ

1: عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ :... مَنْ كَذَبَ عَلَيَّ مُتَعَمِّدًا فَلْيَتَبَوَّأْ مَقْعَدَهُ مِنَ النَّارِ.

(صحیح البخاری: ج1 ص21 کتاب العلم باب اثم من کذب علی النبی علیہ السلام)

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس آدمی نے جان بوجھ کر مجھ پر جھوٹ بولا تو وہ اپنا ٹھکانہ جہنم بنالے۔

ف: جھوٹ بولنا گناہ ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم جب اپنی طرف جھوٹ کی نسبت کو گناہ قرار دے رہے ہیں تو خود اس گناہ کے مرتکب کیسے ہوسکتے ہیں؟

2: عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: مَنْ أَطَاعَنِي فَقَدْ أَطَاعَ اللَّهَ، وَمَنْ يَعْصِنِي فَقَدْ عَصَى اللَّهَ.

(صحیح مسلم ج2 ص124 کتاب الامارۃ باب وجوب إطاعة الأمراء فی غیر معصیة وتحریمها فی معصیة)

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے میری اطاعت کی اس نے اللہ کی اطاعت کی اور جس نے میری نافرمانی کی اس نے اللہ کی نافرمانی کی۔

ف: نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نافرمانی اللہ تعالیٰ کی نافرمانی تب ہی ہوسکتی ہے جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم خود معصیت سے پاک ہوں۔

3: عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ كُنْتُ أَكْتُبُ كُلَّ شَيْءٍ أَسْمَعُهُ مِنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أُرِيدُ حِفْظَهُ فَنَهَتْنِي قُرَيْشٌ وَقَالُوا أَتَكْتُبُ كُلَّ شَيْءٍ تَسْمَعُهُ وَرَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَشَرٌ يَتَكَلَّمُ فِي الْغَضَبِ وَالرِّضَا فَأَمْسَكْتُ عَنِ الْكِتَابِ فَذَكَرْتُ ذَلِكَ لِرَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَأَوْمَأَ بِإِصْبَعِهِ إِلَى فِيهِ فَقَالَ «اُكْتُبْ فَوَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ مَا يَخْرُجُ مِنْهُ إِلَّا حَقٌّ».

(سنن ابی داؤد ج2 ص514 کتاب العلم باب فی کتابۃ العلم، مسند احمد ج2 ص162 رقم الحدیث 6510)

ترجمہ: حضرت عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، فرماتے ہیں کہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے جو بات سنتا تھا اس کو لکھ لیا کرتا تھا تاکہ اسے محفوظ کروں۔ قریش نے مجھے اس بات سے روکا اور کہنے لگے کہ آپ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سنی ہر بات لکھ لیتے ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم بھی تو انسان ہیں، خوشی اور غمی میں کلام کرتے ہیں۔ تو میں نے لکھنا چھوڑ دیا۔ میں نے یہ بات نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو بتائی تو آپ علیہ السلام نے اپنی انگلی کا اشارہ اپنے منہ کی طرف کرتے ہوئے فرمایا: تم لکھا کرو! قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے اس منہ سے سوائے حق کے کچھ نہیں نکلتا۔

ف: سب سے زیادہ گناہ عموماً زبان سے صادر ہوتے ہیں۔ تو جس ذات کی زبان ہی قبضہ خدا میں ہے تو اس شخصیت سے گناہ کا خیال کیونکر کیا جا سکتا ہے؟!

4: أخبرنا عبد الرزاق عن معمر عن الزهری أو قتادة - أو كلاهما - أن يهوديا جاء يتقاضى رسول الله صلى الله عليه و سلم فقال له النبی صلى الله عليه و سلم: قد قضيتك. فقال اليهودی: بينتك؟ قال: فجاء خزيمة بن ثابت الأنصاری فقال: أنا أشهد أنه قد قضاك، فقال النبی صلى الله عليه و سلم: وما يدريك؟ قال إنی أصدقك بأعظم من ذلك أصدقك بخبر السماء فأجاز رسول الله صلى الله عليه و سلم شهادته بشهادة رجلين.

(مصنف عبد الرزاق: ج10 ص228 کتاب الجامع باب اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم)

ترجمہ: امام زہری یا امام قتادہ سے روایت ہے کہ ایک یہودی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آکر رقم کا تقاضا کرنے لگا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے فرمایا: میں نے تو رقم ادا کر دی ہے۔ یہودی کہنے لگا: اس پر کوئی گواہ بھی ہیں؟ راوی کہتے ہیں کہ حضرت خزیمہ بن ثابت انصاری رضی اللہ عنہ آگئے اور فرمانے لگے کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رقم ادا کر دی ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت خزیمہ کو فرمایا: آپ کو کیسے معلوم ہوا کہ میں نے رقم ادا کر دی ہے؟ تو انہوں نے عرض کی کہ میں تو اس سے بھی بڑی باتوں میں آپ کی تصدیق کرتا ہوں، آپ جو آسمان سے آئی ہوئی باتیں بتاتے ہیں میں ان کی بھی تصدیق کرتا ہوں۔ اس پر حضور علیہ السلام نے حضرت خزیمہ رضی اللہ عنہ کی گواہی کو دو گواہوں کے برابر قرار دیا۔

ف: اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم معصوم نہ ہوتے تو حضرت خزیمہ رضی اللہ عنہ اتنے بڑے دعویٰ کی کبھی بھی تصدیق نہ کرتے۔

اجماعِ اُمّت اور اقوال ائمہ

شیخ محمد اعلیٰ تھانوی رحمۃ اللہ علیہ (ت 1191ھ) نے اجماع امت کی یوں تعریف کی ہے:

هو إتفاق المجتهدين من أمة محمد صلى الله عليه وسلم في عصر على حكم شرعي.

(کشاف اصطلاحات الفنون للتھانوی: ج1 ص238)

ترجمہ: اجماع امت سے مراد امت محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مجتہدین کا کسی زمانہ میں کسی بھی حکم شرعی پر اتفاق کر لینا ہے۔

اجماع کبھی کل ہوتا ہے اور کبھی اکثری۔

- اجماع کلی کے مقابلے میں کوئی بات آجائے تو یہ "خلاف" ہے
- اجماع اکثری کے مقابلے میں کوئی بات آجائے تو یہ "شذوذ" ہے

"خلاف" کو رد کرتے ہیں اور "شذوذ" پر عمل نہیں کرتے اور نہ ہی اس کے خلاف فتویٰ بازی کرتے ہیں۔

اجماعِ کلی کے مقابلے میں ایک مسئلہ ہو تو یہ خلاف ہے لیکن اگر پورا مسلک ہی اہلِ حق کے مد مقابل پیش کیا جائے تو یہ "فرقہ باطلہ" کہلاتا ہے۔

1: امام اعظم امام ابو حنیفہ (ت150ھ) فرماتے ہیں:

الانبياء عليهم الصلوٰة والسلام كلهم منزهون عن الصغائر والكبائر والكفر والقبائح. (الفقہ الاکبر ص2، العقیدۃ الحنفیہ ص203)

ترجمہ: سارے انبیاء علیہم السلام صغیرہ، کبیرہ گناہوں اور کفر اور بے ہودہ کاموں سے پاک ہیں۔

2: قاضی عیاض مالکی رحمۃ اللہ علیہ (ت544ھ) فرماتے ہیں:

اَلْاِجْمَاعُ عَلَى الْعِصْمَةِ عَنِ الْكَبَائِرِ بِلَا قَيْدٍ عَمَدًا وَسَهْوًا. (النبراس شرح شرح العقائد: ص283)

ترجمہ: انبیاء علیہم السلام کبیرہ گناہوں سے پاک ہوتے ہیں، نہ عمداً کرتے ہیں نہ سہواً اسی پر اجماع ہے۔

3: امام ابو عبد اللہ محمد بن احمد الانصاری القرطبی (ت671ھ) لکھتے ہیں:

ذهب الجمهور في أن جميع الأنبياء صلوات الله عليهم معصومون عن الخطأ والغلط في اجتهادهم.

(الجامع لاحکام القرآن: ج2 ص2058 تحت سورۃ الانبیاء آیت فَفَهَّمْنَاهَا سُلَيْمَانَ الآیۃ)

ترجمہ: جمہور حضرات کا موقف یہ ہے کہ تمام انبیاء صلوات اللہ علیہم اپنے اجتہاد میں خطاء اور غلطی سے معصوم ہوتے ہیں۔

اشکال: اجتہاد میں خطا تو ہوتی ہے۔

جواب: اس خطاء پہ باقی نہیں رکھا جاتا

4: ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ (ت1014ھ) بعض محققین سے نقل فرماتے ہیں:

اِجْمَاعُ الصَّحَابَۃِ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْھُمْ عَلَی التَّاَسِّیْ بِہٖ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَ سَلَّمَ فِیْ اَقْوَالِہٖ وَاَفْعَالِہٖ وَسَائِرِ اَحْوَالِہٖ حَتّٰی فِیْ کُلِّ حَالَاتِہٖ مِنْ غَیْرِ بَحْثٍ وَلَا تَفَکُّرٍ بَلْ بِمُجَرَّدِ عِلْمِھِمْ اَوْ ظَنِّھِمْ بِصُدُوْرِ ذٰلِكَ عَنْہُ دَلِیْلٌ قَاطِعٌ عَلٰی اِجْمَاعِھِمْ عَلٰی عِصْمَتِہٖ وَتَنَزُّھِہٖ عَنْ اَنْ یَّجْرِیَ عَلٰی ظَاھِرِہٖ اَوْ بَاطِنِہٖ شَیْءٌ لَا یُتَاَسّٰی بِہٖ فِیْہِ مِمَّا لَمْ یَقُمْ دَلِیْلٌ عَلَی اخْتِصَاصِہٖ.

(المرقات شرح المشکوۃ: ج1 ص220)

ترجمہ: صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال، افعال اور تمام احوال میں بغیر کسی بحث و تفکر کے محض یہ جانتے ہوئے کہ یہ عمل آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا ہے آپ کی اتباع پر متفق ہو جانا واضح دلیل ہے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم کا آپ کی عصمت پر اجماع ہے اور اس پر بھی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے ظاہراً و باطناً ایسی کوئی چیز صادر نہیں ہو سکتی جس کی اتباع نہ کی جا سکتی ہو جب تک آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیت پر دلیل قائم نہ ہو جائے۔

5: علامہ عبد العزیز پرہاڑوی رحمہ اللہ (ت1239ھ) قاضی عیاض مالکی اور محققین فقہاء و متکلمین سے نقل کرتے ہیں:

قال القاضی عیاض ذهب طائفة من محقق الفقهاء والمتكلمين الى العصمة عن الصغائر كالعصمة فی الكبائر.

(النبراس: ص283)

ترجمہ: قاضی عیاض مالکی اور محقق فقہاء و متکلمین کا موقف یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام جس طرح کبیرہ گناہوں سے معصوم ہیں اسی طرح صغیرہ گناہوں سے بھی معصوم ہیں۔

6: مفتیٔ اعظم پاکستان مفتی محمد شفیع رحمۃ اللہ علیہ (ت1396ھ) اپنی تفسیر "معارف القرآن" میں فرماتے ہیں:

"تحقیق یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام کی عصمت تمام گناہوں سے عقلاً اور نقلاً ثابت ہے۔ ائمہ اربعہ اور جمہور امت کا اس پر اتفاق ہے کہ انبیاء علیہم السلام تمام چھوٹے بڑے گناہوں سے محفوظ ہوتے ہیں اور بعض لوگوں نے جو یہ کہا ہے کہ صغیرہ گناہ ان سے بھی سرزد ہو سکتے ہیں' جمہور امت کے نزدیک صحیح نہیں۔"

(معارف القرآن: ج1 ص195 سورۃ البقرۃ آیت وَلَا تَقْرَبَا ھٰذِہِ الشَّجَرَۃَ)

فائدہ:

جمہور حضرات کے نزدیک انبیاء علیہم السلام کبائر کی طرح صغائر سے بھی پاک ہوتے ہیں البتہ بعض حضرات کا یہ جو موقف یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام سے صغائر کا صدور ممکن ہے۔ اس بارے میں وضاحت یہ ہے کہ...

◆ جمہور کے مقابلے میں ان بعض حضرات کا قول قابلِ اعتبار نہیں

◆ صغائر کی تعریف میں اختلاف ہے۔ انبیاء علیہم السلام سے سہواً یا خلافِ اولیٰ امور کا صادر ہونا جمہور کے نزدیک "صغائر" میں داخل ہی نہیں اس لیے جمہور حضرات؛ انبیاء علیہم السلام سے صغائر کے صدور کے قائل نہیں اور بعض حضرات کے نزدیک یہ امور صغائر میں داخل ہیں اس لیے ان کے ہاں انبیاء علیہم السلام سے صغائر کا صدور ممکن ہے۔ نتیجۃً یہ اختلاف محض لفظی ہے، حقیقی نہیں۔

دلائل عقلیہ

[۱]: انسان جسم اور روح سے بنا ہے، جسم مٹی سے بنا ہے تو اس کی غذا اور دوا بھی مٹی سے ہی ہے اور روح آسمان سے آتی ہے تو اس کی غذا بھی آسمان سے آتی ہے۔ جسم بیمار ہو تو اس کو طبیب چاہئے اور جسم کے طبیب کو ڈاکٹر کہتے ہیں، روح بیمار ہو تو اس کو بھی طبیب چاہیے اور اس کے طبیب

کو نبی اور رسول کہتے ہیں اور یہ ضابطہ عقلی ہے کہ طبیب جس مرض کا معالج ہو خود اس کا اس مرض میں مبتلا ہونا یہ اس طبیب کا عیب ہے۔ روح کی بیماری گناہ ہے تو خود روح کے طبیب کا گناہ میں مبتلا ہونا اس کا عیب ہے۔ اس لیے طبیب روحانی کا اس عیب سے پاک ہونا ضروری ہے۔

[۲]: حضرات انبیاء علیہم السلام اطاعت خدا کروانے میں انسانوں کے لئے مقتدا ہیں تو اگر خود خدا کے نافرمان ہوں تو لوگوں کو اطاعت کا کیا درس دیں گے؟

[۳]: امام فخر الدین محمد بن عمر الرازی رحمۃ اللہ علیہ (ت 604ھ) فرماتے ہیں:

إن الرسول أفضل من الملك فوجب أن لا يصدر الذنب من الرسول، وإنما قلنا إنه أفضلَ لقوله تعالىٰ: {إِنَّ اللهَ اصْطَفَى آدَمَ وَنُوحًا وَآلَ إِبْرَاهِيمَ وَآلَ عِمْرَانَ عَلَى الْعَالَمِينَ} ووجه الاستدلال به قد تقدم في مسألة فضل الملك على البشر وإنما قلنا إنه لما كان كذلك وجب أن لا يصدر الذنب عن الرسول لأنه تعالى وصف الملائكة بترك الذنب فقال: {لا يَسْبِقُونَه بِالْقَوْلِ} وقال: {لا يَعْصُونَ اللهَ مَآ أَمَرَهُمْ وَيَفْعَلُونَ مَا يُؤْمَرُونَ} فلو صدرت المعصية عن الرسول لامتنع كونه أفضل من الملك لقوله تعالى: {أَمْ نَجْعَلُ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ كَالْمُفْسِدِينَ فِي الارْضِ أَمْ نَجْعَلُ الْمُتَّقِينَ كَالْفُجَّارِ}.

(التفسیر الکبیر للرازی: ج3 ص9 تحت تفسیر سورۃ البقرۃ. آیت: فَأَزَلَّهُمَا الشَّيْطَانُ عَنْهَا فَأَخْرَجَهُمَا الخ)

ترجمہ: رسول؛ فرشتے سے افضل ہے تو ضروری ہے کہ رسول سے گناہ صادر نہ ہو۔ یہ جو ہم نے کہا کہ رسول فرشتے سے افضل ہے اس کی دلیل اللہ کا یہ فرمان ہے: "إِنَّ اللهَ اصْطَفَى آدَمَ وَنُوحًا وَآلَ إِبْرَاهِيمَ وَآلَ عِمْرَانَ عَلَى الْعَالَمِينَ" کہ بے شک اللہ تعالیٰ نے آدم، نوح، آل ابراہیم اور آل عمران کو تمام جہانوں سے پسند کیا۔ وجہ استدلال ماقبل میں انسان کی فرشتے پر افضلیت کے بیان میں گزر چکی ہے۔ اور یہ جو ہم نے بات کی کہ جب رسول فرشتے سے افضل ہے تو ضروری ہے کہ رسول سے گناہ سرزد نہ ہوں اس کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کی صفت یہ بیان فرمائی کہ وہ گناہ نہیں کرتے، ارشاد باری تعالیٰ ہے: "لا يَسْبِقُونَه بِالْقَوْلِ" کہ فرشتے اللہ کے حضور بڑھ کر کوئی بات نہیں کرتے۔ نیز ارشاد باری ہے: "لا يَعْصُونَ اللهَ مَآ أَمَرَهُمْ وَيَفْعَلُونَ مَا يُؤْمَرُونَ" کہ فرشتے اللہ تعالیٰ کی حکم عدولی نہیں کرتے بلکہ جو انہیں حکم ہو وہی کرتے ہیں۔ تو اگر رسول سے گناہ سرزد ہو تا تو رسول فرشتہ سے افضل شمار نہ ہوتا کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: "أَمْ نَجْعَلُ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ كَالْمُفْسِدِينَ فِي الارْضِ أَمْ نَجْعَلُ الْمُتَّقِينَ كَالْفُجَّارِ" کہ کیا ہم ایمان لانے والے اور نیک عمل کرنے والے لوگوں کو ان لوگوں کے برابر کر دیں گے جو زمین میں فساد مچاتے ہیں یا یہ کہ ہم پرہیز گاروں کو بدکاروں کے برابر کر دیں گے؟!

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

منکرین عصمت انبیاء علیہم السلام کے اعتراضات کے جوابات

حضرت آدم علیہ السلام پر اعتراضات کے جوابات

اعتراض نمبر 1:

اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام اور آپ کی بیوی کو جنت میں داخل فرمایا اور ساتھ ہی فرمایا:

﴿يَا آدَمُ اسْكُنْ أَنْتَ وَزَوْجُكَ الْجَنَّةَ وَكُلَا مِنْهَا رَغَدًا حَيْثُ شِئْتُمَا وَلَا تَقْرَبَا هَذِهِ الشَّجَرَةَ فَتَكُونَا مِنَ الظَّالِمِينَ﴾

(البقرۃ:35)

ترجمہ: اے آدم! آپ اور آپ کی بیوی دونوں جنت میں رہو اور جہاں سے دل چاہے جی بھر کے کھاؤ لیکن اس خاص درخت کے قریب مت جانا ورنہ تمہارا شمار ظالموں میں ہو گا۔

لیکن آدم علیہ السلام نے درخت کھالیا تو اللہ کا حکم نہیں مانا جو کہ معصیت ہے۔

جواب نمبر 1:

حضرت آدم علیہ السلام بھول گئے تھے۔ قرآن کریم میں ہے:

﴿وَلَقَدْ عَهِدْنَا إِلَى آدَمَ مِنْ قَبْلُ فَنَسِيَ وَلَمْ نَجِدْ لَهُ عَزْمًا﴾. (طٰہٰ:115)

اور بھولنا معصیت نہیں ہوتا۔

مثال: جیسے روزہ دار بھول جائے اور کھا پی لے تو گناہ نہیں۔

سوال:

اگر بھول معاف ہے تو نماز میں بھول کر بات کر لیں تو نماز کیوں ٹوٹ جاتی ہے؟

جواب:

نبی کا بھولنا جیسے نمازی بھول جائے اور امتی کا بھولنا جیسے روزہ دار بھول جائے۔ نمازی کے ذمہ ایک کام ہے یعنی اللہ تعالیٰ سے باتیں کرنا، اگر وہ بھی بھول جائے تو گناہ نہیں البتہ ڈانٹ ہے اور روزہ دار کے ذمہ کئی کام ہیں، وہ بھول جائے تو گناہ بھی نہیں اور ڈانٹ بھی نہیں۔ جیسے کسی بچے کو دکان پر بھیجیں اور کئی کام اس کے ذمہ لگا دیں کہ ادرک، لہسن، دھنیا، پیاز، ہری مرچ، پودینہ لے آؤ۔ پھر وہ ایک چیز بھول جائے تو ڈانٹ نہیں پڑتی اور اگر ایک ہی چیز ادرک ذمہ ہو اور وہ بھی بھول جائے تو ڈانٹ ہے۔

جواب نمبر 2:

ایک اور مقام پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

فَأَزَلَّهُمَا الشَّيْطَانُ عَنْهَا فَأَخْرَجَهُمَا مِمَّا كَانَا فِيهِ وَقُلْنَا اهْبِطُوا بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ وَلَكُمْ فِي الْأَرْضِ مُسْتَقَرٌّ وَمَتَاعٌ إِلَى حِينٍ. (البقرۃ:36)

ترجمہ: پھر شیطان نے ان دونوں کو وہاں سے ڈگمگا دیا اور جس (عیش) میں وہ تھے اس سے انہیں نکال کر رہا اور ہم نے (آدم، ان کی بیوی اور شیطان سے) کہا: اب تم سب یہاں سے اتر جاؤ، تم ایک دوسرے کے دشمن ہو گے اور تمہارے لیے ایک مدت تک زمین میں ٹھہرنا اور کسی قدر نفع

اٹھانا طے کر دیا گیا ہے۔

اور "زلۃ" اس غلطی کو کہا جاتا ہے جو بغیر قصد وارادہ کے ہو۔ امام ابو القاسم الحسین بن محمد (ت 502ھ) لکھتے ہیں:

الزلة فی الأصل استرسال الرجل من غیر قصد. (المفردات فی غریب القرآن: ص214)

ترجمہ: "زلۃ" کا لغت میں معنی ہے آدمی کا بغیر قصد وارادہ کے پھسل جانا۔

اعتراض نمبر2:

اگر نسیان تھا تو "وَعَصٰٓى اٰدَمُ رَبَّهٗ فَغَوٰى" (طٰہٰ: 121)

ترجمہ: اور آدم نے اپنے رب کا حکم ٹالا اور راہ کھو بیٹھے۔

کیوں فرمایا؟

جواب:

لغت عرب میں بھول چوک، لغزش پر مجازا عصی کا اطلاق کیا جاتا ہے چنانچہ ھدایۃ الساری الی دراسۃ البخاری میں ہے:

المعصية مصدر وقد تطلق على الزلة مجازا.

(ھدایۃ الساری الی دراسۃ البخاری للعلامۃ امداد الحق السلھتی البنغلادیشی: ج1 ص107)

تو "عصیٰ" کا معنی ہے کہ بغیر ارادہ کے وہ کام کیا جائے جو ان کو نہ کرنا چاہیے تھا اور "غویٰ" کا لفظ "غَوَايَةٌ" سے ہے۔ اس کا ایک معنی ہے گمراہ ہونا اور دوسرا معنی ہے عیش کا خراب ہونا اور زندگی کا تلخ ہونا اور یہاں دوسرا معنی مراد ہے کہ بے احتیاطی سے وہ کام کر لیا جس سے جنت کی عیش جاتی رہی اور دنیا میں زندگی تلخ ہو گئی کہ مشکلات پیش آئیں۔

اعتراض نمبر3:

اگر یہ گناہ نہ تھا تو آدم علیہ السلام کے الفاظ کو قرآن میں یوں کیوں ذکر کیا گیا:

قَالَا رَبَّنَا ظَلَمْنَا أَنْفُسَنَا وَإِنْ لَمْ تَغْفِرْ لَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُونَنَّ مِنَ الْخَاسِرِينَ. (الاعراف: 23)

ترجمہ: ان دونوں (آدم اور ان کی بیوی) نے کہا: اے ہمارے رب! ہم دونوں نے اپنی جانوں پر ظلم کیا اور اگر آپ نے ہمیں معاف نہ کیا اور ہم پر رحم نہ کیا تو ہم نقصان اٹھانے والے لوگوں میں شامل ہو جائیں گے۔

جواب:

بعض کام جو کہ فی الواقع گناہ نہیں ہوتے لیکن نبی اس کو اپنے لیے لفظ "گناہ" یا اس کے مرادف الفاظ سے تعبیر کرتے ہیں تو اللہ تعالیٰ نبی کے انہی الفاظ کو نقل فرما دیتے ہیں اور یوں فرما دیتے ہیں کہ جس کو تو گناہ سمجھتا ہے ہم نے اس کو بھی معاف فرما دیا۔ اس سے سننے اور پڑھنے والا یہ سمجھتا ہے کہ یہ گناہ ہے حالانکہ یہ گناہ ہوتا نہیں۔ تو یہاں حضرت آدم اور حضرت حواء نے کہا ہے کہ "رَبَّنَا ظَلَمْنَا أَنْفُسَنَا"... اللہ تعالیٰ نے یہ نہیں فرمایا: "ظلمتما" تم دونوں نے ظلم کیا ہے۔ دونوں میں بہت بڑا فرق ہے۔

مثال: جیسے کوئی ذکی اور حساس بچہ استاذ کے کہنے پر استاذ کے گھر سے شیشے کے گلاس میں دودھ لائے اور ٹھوکر لگنے سے گلاس ٹوٹ جائے اور دودھ گر جائے اور یہ بچہ استاذ سے کہے کہ مجھے معاف کر دیں، مجھ سے غلطی ہو گئی ہے۔ استاذ کہے: بیٹا! تم نے کون سا بوجھ کر کیا ہے۔ بچہ پھر بھی انہی الفاظ کو دہرائے جا رہا ہے تو استاذ اس بچے کی خوشی کی خاطر فرما دے کہ تمہاری غلطی نہیں مگر جس کو تم غلطی سمجھ رہے ہو میں نے اس کو بھی معاف کر دیا۔ اب اس سے کوئی اس بچے کو طعنہ دے کہ تم نے فلاں وقت میں یہ کام غلط کیا تھا اور اس کے غلط ہونے پہ دلیل یہ پیش کرے کہ تمہارے

استاذ نے اس کو غلطی کہہ کر معاف کیا تھا۔

اعتراض نمبر4:

اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم نے ارشاد فرمایا:

﴿هُوَ الَّذِي خَلَقَكُمْ مِنْ نَفْسٍ وَاحِدَةٍ وَجَعَلَ مِنْهَا زَوْجَهَا لِيَسْكُنَ إِلَيْهَا فَلَمَّا تَغَشَّاهَا حَمَلَتْ حَمْلًا خَفِيفًا فَمَرَّتْ بِهِ فَلَمَّا أَثْقَلَتْ دَعَوَا اللَّهَ رَبَّهُمَا لَئِنْ آتَيْتَنَا صَالِحًا لَنَكُونَنَّ مِنَ الشَّاكِرِينَ ○ فَلَمَّا آتَاهُمَا صَالِحًا جَعَلَا لَهُ شُرَكَاءَ فِيمَا آتَاهُمَا فَتَعَالَى اللَّهُ عَمَّا يُشْرِكُونَ﴾. (الاعراف:190)

ترجمہ: اللہ وہ ہے جس نے تمہیں ایک جان سے پیدا کیا اور اسی سے اس کی بیوی بنائی تاکہ وہ اس کے پاس آکر تسکین حاصل کرے۔ پھر جب مرد نے عورت کو ڈھانک لیا تو عورت نے حمل کا ایک ہلکا سا بوجھ اٹھالیا جسے لے کر وہ چلتی پھرتی رہی۔ پھر جب وہ بوجھل ہو گئی تو دونوں (میاں بیوی) نے اللہ سے دعا کی کہ اگر آپ نے ہمیں تندرست اولاد دی تو ضرور بالضرور آپ کا شکر ادا کریں گے۔ لیکن جب اللہ نے ان کو ایک تندرست بچہ دے دیا تو ان دونوں نے اللہ کی عطا کی ہوئی اس نعمت میں اللہ کے ساتھ دوسروں کو شریک ٹھہرانا شروع کر دیا حالانکہ اللہ کا ان لوگوں کی مشرکانہ باتوں سے کوئی تعلق نہیں۔

یعنی حضرت آدم علیہ السلام اور حضرت حواء سلام اللہ علیہا نے اولاد ملنے پر شرک کیا۔ وہ شرک کیا ہے؟ ایک حدیث میں ہے:

عَنْ قَتَادَةَ عَنِ الْحَسَنِ عَنْ سَمُرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَمَّا حَمَلَتْ حَوَّاءُ طَافَ بِهَا إِبْلِيسُ وَكَانَ لَا يَعِيشُ لَهَا وَلَدٌ فَقَالَ سَمِّيهِ عَبْدَ الْحَارِثِ فَسَمَّتْهُ عَبْدَ الْحَارِثِ فَعَاشَ وَكَانَ ذَلِكَ مِنْ وَحْيِ الشَّيْطَانِ وَأَمْرِهِ.

(سنن الترمذی: ج ص ابواب التفسیر. سورۃ الاعراف)

ترجمہ: حضرت سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب حضرت حواء امید سے ہوئیں تو ابلیس ان کے پاس چکر لگانے لگا۔ چونکہ آپ سلام اللہ علیہا کی اولاد زندہ نہیں رہتی تھی اس لیے ابلیس کہنے لگا کہ جب بچہ پیدا ہو تو اس کا نام عبد الحارث رکھنا۔ (بچہ پیدا ہوا) تو حضرت حواء نے اس کا نام عبد الحارث رکھا۔ وہ بچہ زندہ رہا۔ یہ کام شیطان کے اکسانے اور کہنے سے ہوا۔

"حارث" شیطان کا نام ہے۔ تو حضرت آدم علیہ السلام و حواء سلام اللہ علیہا کا اپنے بیٹے کا نام "عبد الحارث" رکھنا یہ شرک ہے۔

جواب:

اس آیت کا تعلق کسی خاص واقعہ سے نہیں بلکہ عام طور پہ لوگ ایسا کرتے ہیں کہ اولاد اللہ سے مانگی جب اللہ نے عطا فرمادی تو نام ایسے رکھے جو خلاف توحید ہوتے ہیں جیسے پیراں دتہ، غوث بخش وغیرہ۔ مفسرین کے حوالہ جات ملاحظہ ہوں:

1: حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے اس آیت کی یہ تفسیر منقول ہے:

وأخرج ابن المنذر وابن أبي حاتم عن ابن عباس قال: ما أشرك آدم أن أولهما شكر وآخرهما مثل ضربه لمن بعده.

(تفسیر الدر المنثور للسیوطی: ج6 ص705)

ترجمہ: حافظ ابن المنذر اور امام ابن ابی حاتم الرازی نے حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ تفسیر نقل کی ہے کہ آدم علیہ السلام نے شرک نہیں کیا کہ بلاشبہ ان دونوں آیت میں پہلا حصہ شکر پر مشتمل ہے (یعنی انسانوں کو اس بات پر شکر کرنے کی تعلیم دی ہے کہ انہیں آدم و حواء سے پیدا کیا گیا ہے) اور دوسرے حصے میں ایک مثال ہے جسے اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام سے بعد آنے والوں کے لئے بیان کیا۔ (یہاں "بعدہ" کہنے میں اشارہ ہے کہ اس مثال سے مراد آدم علیہ السلام کے علاوہ دیگر لوگ ہیں)

2: حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ (ت110ھ) اس آیت کی یہ تفسیر فرماتے ہیں:

عن الحسن: {جَعَلَا لَهُ شُرَكَاءَ فِيمَا آتَاهُمَا} قال: كان هذا في بعض أهل الملل، ولم يكن بآدم.

(تفسیر الطبری: ج13 ص314)

ترجمہ: حضرت حسن بصری فرماتے ہیں کہ "جَعَلَا لَهُ شُرَكَاءَ فِيمَا آتَاهُمَا" سے مراد بعض دیگر اقوام ہیں، اس سے مراد حضرت آدم علیہ السلام نہیں ہیں۔

آپ رحمہ اللہ سے ایک تفسیر یوں بھی منقول ہے:

عن قتادة قال: كان الحسن يقول: هم اليهود والنصارى، رزقهم الله أولادًا، فهوّدوا ونَصَّروا.

(تفسیر الطبری: ج13 ص315)

ترجمہ: حضرت قتادہ حضرت حسن بصری سے نقل کرتے ہیں کہ ان سے مراد یہود و نصاری ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ ان کو اولاد سے نوازتا ہے تو یہ لوگ اسے یہودی اور نصرانی بناڈالتے ہیں۔

3: علامہ ناصر الدین ابو سعید عبد اللہ بن عمر بن محمد شیرازی بیضاوی (ت685ھ) لکھتے ہیں:

أي جعل أولادهما له شركاء فيما آتى أولادهما فسموه عبد العزى وعبد مناف.

(تفسیر البیضاوی: ج1 ص82)

ترجمہ: اس آیت کا معنی یہ ہے کہ آدم و حواء کی اولاد کو جب اللہ تعالیٰ نے اولاد سے نوازا تو انہوں نے شرک کرنا شروع کر دیا، چنانچہ یہ لوگ اپنے بچوں کے نام عبد العزی اور عبد مناف رکھنے لگے۔

4: حافظ عماد الدین اسماعیل بن خطیب ابی حفص عمر بن کثیر دمشقی شافعی (ت774ھ) فرماتے ہیں:

وأنه ليس المراد من هذا السياق آدم وحواء، وإنما المراد من ذلك المشركون من ذريته.

(تفسیر ابن کثیر: ج3 ص528)

ترجمہ: اس آیت کے سیاق و سباق کو دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہاں حضرت آدم و حضرت حواء مراد نہیں بلکہ مراد حضرت آدم علیہ السلام کی کی اولاد کے مشرک لوگ ہیں۔

5: علّامہ ابو الثناء محمود آلوسی آفندی بغدادی الحنفی (ت1270ھ) فرماتے ہیں:

﴿فَلَمَّا آتَاهُمَا صَالِحًا جَعَلَا لَهُ شُرَكَاءَ﴾ أي جعلتم يا أولادهما ولقد كان لكم في أبويكم أسوة حسنة في قولهما: لئن آتيتنا صالحا لنكونن من الشاكرين وكأن المعنى والله تعالى أعلم فلما آتاهما صالحا ووفيا بما وعدا به ربهما من القيام بموجب الشكر خالفتم أنتم يا أولادهما فأشركتم وكفرتم النعمة.

(روح المعانی: ج9 ص140)

ترجمہ: اس آیت ﴿فَلَمَّا آتَاهُمَا صَالِحًا جَعَلَا لَهُ شُرَكَاءَ﴾ کا مطلب یہ ہے کہ اے آدم و حواء کی اولاد! تمہیں جب اللہ تعالیٰ نے اولاد دی تو تم نے خدا کا شریک ٹھہرالیا حالانکہ تمہارے سامنے تمہارے ماں باپ (آدم و حواء) کا لائق عمل یہ فرمان موجود ہے کہ "اگر آپ نے ہمیں تندرست اولاد دی تو ضرور بالضرور آپ کا شکر ادا کریں گے" گویا کہ اس آیت کا معنی یہ ہے کہ جب حضرت آدم و حضرت حواء کو اللہ نے اولاد دی تو انہوں نے اپنے وعدے کے مطابق اللہ کا شکر ادا کیا لیکن اے اولادِ آدم! تم نے ان کی مخالف کی اور بجائے شکر کرنے کے شرک کا ارتکاب کیا اور الٹا اللہ تعالیٰ کی نعمت کی نافرمانی کی۔

6: حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ (ت 1362ھ) ان آیات کا ترجمہ و تفسیر ان الفاظ میں بیان فرماتے ہیں:

"وہ اللہ ایسا (قادر اور منعم) ہے جس نے تم کو ایک تن واحد (یعنی آدم علیہ السلام) سے پیدا کیا اور اسی سے اس کا جوڑا بنایا (مراد حواء جس کی کیفیت شروع تفسیر سورہ نساء میں گزر چکی) تاکہ وہ اس اپنے جوڑے سے انس حاصل کرے (پس جب وہ خالق بھی ہے اور محسن بھی تو عبادت اسی کا حق ہے) پھر (آگے ان کی اولاد بڑھی اور ان میں بھی میاں بی بی ہوئے لیکن ان میں بعض کی یہ حالت ہوئی کہ) جب میاں نے بی بی سے قربت کی اور اس کو حمل رہ گیا جو (اول اول) ہلکا سا (رہا) سو وہ اس کو (پیٹ میں) لیے ہوئے (بے تکلیف) چلتی پھرتی رہی الخ"

(بیان القرآن: ج2 ص75)

نوٹ:

باقی رہی سنن الترمذی کی روایات تو اس کی سند یہ ہے:

حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى حَدَّثَنَا عَبْدُ الصَّمَدِ بْنُ عَبْدِ الْوَارِثِ حَدَّثَنَا عُمَرُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ عَنْ قَتَادَةَ عَنِ الْحَسَنِ عَنْ سَمُرَةَ الخ

اس میں ایک راوی ہے عمر بن ابراہیم جو قتادہ سے روایت کر رہا ہے اور اس روایت میں منفرد بھی ہے۔ اس راوی کی قتادہ سے نقل کردہ روایات پر سخت کلام ہے۔ محدثین کی آراء یہ ہیں:

♦ امام احمد بن حنبل: **هو يروي عن قتادة أحاديث مناكير يخالف.** (تہذیب التہذیب: ج4 ص691)

ترجمہ: یہ قتادہ سے منکر روایات نقل کرتا ہے جو عام روایات کے مخالف ہوتی ہیں۔

♦ امام ابو حاتم محمد بن ادریس الرازی: **يكتب حديثه ولا يحتج به.** (الجرح والتعدیل: ج6 ص119)

ترجمہ: اس کی روایات لکھ تو لی جائیں لیکن انہیں دلیل نہ بنایا جائے۔

♦ امام محمد بن حبان: **كان ممن ينفرد عن قتادة بما لا يشبه حديثه، فلا يعجبني الاحتجاج به إذا انفرد.** (المجروحین لابن حبان: ج2 ص89)

ترجمہ: یہ قتادہ سے ایسی روایات کرنے میں منفرد ہے جو عام روایات کے موافق نہیں ہوتیں۔ جب یہ منفرد ہو تو اس کی روایت کو دلیل بنانا مجھے اچھا نہیں لگتا۔

♦ حافظ عبد اللہ بن عدی: **يروي عن قتادة أشياء لا يوافق عليها.** (الکامل فی الضعفاء: ج6 ص86)

ترجمہ: قتادہ سے ایسی روایات نقل کرتا ہے جن کی موافقت نہیں ہوتی۔

♦ حافظ ابن حجر العسقلانی: **صدوق في حديثه عن قتادة ضعف.** (تقریب التہذیب: ص440)

ترجمہ: فی نفسہ سچا ہے لیکن اس کی قتادہ سے روایات میں ضعف ہوتا ہے۔

قتادہ سے منفرد ہونے کی وجہ سے عمر بن ابراہیم کی یہ روایت ضعیف ہے۔ لہذا اس روایت کو دلیل بنا کر نبی کی شانِ اقدس کے بارے میں کوئی نامناسب بات کرنا یا کوئی نازیبا نظریہ قائم کرنا بالکل جائز نہیں۔

حضرت نوح علیہ السلام پر اعتراض کا جواب

اعتراض:

حضرت نوح علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے حکم دیا:

﴿وَاصْنَعِ الْفُلْكَ بِأَعْيُنِنَا وَوَحْيِنَا وَلَا تُخَاطِبْنِي فِي الَّذِينَ ظَلَمُوا إِنَّهُمْ مُغْرَقُونَ﴾

(ھود:37)

ترجمہ: ہمارے حکم سے ہماری نگرانی و حفاظت میں آپ کشتی تیار کریں اور روانگی کے وقت مجھ سے ظالموں کے متعلق بات نہ کرنا بیشک ظالم غرق کئے جائیں گے۔

اس آیت میں حضرت نوح علیہ السلام کو ظالم لوگوں یعنی کفار کے متعلق سفارش کرنے سے روکا گیا تھا لیکن اس کے باوجود آپ نے اپنے کافر بیٹے کے لئے سفارش کی اور یوں عرض کیا:

رَبِّ إِنَّ ابْنِي مِنْ أَهْلِي وَإِنَّ وَعْدَكَ الْحَقُّ وَأَنْتَ أَحْكَمُ الْحَاكِمِينَ.

(سورۃ ھود:45)

ترجمہ: اے میرے رب! میرا بیٹا میرے گھر ہی کا ایک فرد ہے اور بے شک تیرا وعدہ سچا ہے اور تو سرداروں کا بھی سردار ہے۔

جب اللہ تعالیٰ نے کفار کے بارے میں سفارش کرنے سے روکا تھا تو حضرت نوح علیہ السلام نے بیٹے کے متعلق سفارش کی جو کافر تھا تو یہ اللہ کے حکم کی خلاف ووزی کی ہے جو کہ عصمت کے خلاف ہے۔

جواب:

قرآن میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

قَالَ يَا نُوحُ إِنَّهُ لَيْسَ مِنْ أَهْلِكَ إِنَّهُ عَمَلٌ غَيْرُ صَالِحٍ فَلَا تَسْأَلْنِ مَا لَيْسَ لَكَ بِهِ عِلْمٌ إِنِّي أَعِظُكَ أَنْ تَكُونَ مِنَ الْجَاهِلِينَ.

(سورۃ ھود آیت 46)

ترجمہ: اللہ نے فرمایا: اے نوح! یقیناوہ تمہارے گھر والوں میں سے نہیں ہے وہ تو ناپاک عمل کا پلندہ ہے، لہذا تم مجھ سے ایسی چیز نہ مانگو جس کی تمہیں خبر نہیں کہ تم نادانوں میں شامل نہ ہو۔

معلوم ہوا کہ حضرت نوح علیہ السلام کو علم نہ تھا کہ نہی کا تعلق ان کے بیٹے کے ساتھ بھی ہے کیونکہ آپ کے سامنے یہ آیت تھی:

قُلْنَا احْمِلْ فِيهَا مِنْ كُلٍّ زَوْجَيْنِ اثْنَيْنِ وَأَهْلَكَ إِلَّا مَنْ سَبَقَ عَلَيْهِ الْقَوْلُ وَمَنْ آمَنَ وَمَا آمَنَ مَعَهُ إِلَّا قَلِيلٌ. (سورۃ ھود:40)

ترجمہ: تو ہم نے نوح سے کہا کہ اس کشتی میں ہر قسم کے جانوروں میں سے دو دو کے جوڑے سوار کر لو اور تمہارے گھر والوں میں سے جس کے متعلق پہلے کہا جا چکا ہے (کہ وہ کفر کی وجہ سے غرق ہوں گے) ان کو چھوڑ کر باقی گھر والوں کو بھی اور جتنے لوگ ایمان لائے ہیں ان کو بھی (ساتھ لے لو) اور تھوڑے ہی لوگ تھے جو ان کے ساتھ ایمان لائے تھے۔

اس سے آپ یہ سمجھے کہ بیٹا بھی تو اھل میں شامل ہے لیکن جب معلوم ہوا کہ وہ بھی غرق ہونے والوں میں سے ہے تو آپ نے اس پہ اللہ کی طرف رجوع بھی کیا اور معافی بھی مانگی۔ ارشاد باری ہے:

قَالَ رَبِّ إِنِّي أَعُوذُ بِكَ أَنْ أَسْأَلَكَ مَا لَيْسَ لِي بِهِ عِلْمٌ وَإِلَّا تَغْفِرْ لِي وَتَرْحَمْنِي أَكُنْ مِنَ الْخَاسِرِينَ. (سورۃ ھود:47)

ترجمہ: نوح علیہ السلام نے کہا: اے میرے رب! میں آپ کی پناہ مانگتا ہوں اس بات سے کہ آئندہ آپ سے وہ چیز مانگوں جس کا مجھے علم نہیں اور اگر آپ نے میری مغفرت نہ فرمائی اور مجھ پر رحم نہ کیا تو میں بھی نقصان اٹھانے والوں میں شامل ہو جاؤں گا۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام پر اعتراضات کے جوابات

اعتراض نمبر 1:

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے چاند اور سورج اور ستاروں کو اپنا خدا فرمایا:

﴿فَلَمَّا جَنَّ عَلَيْهِ اللَّيْلُ رَأَىٰ كَوْكَبًا قَالَ هَٰذَا رَبِّي فَلَمَّا أَفَلَ قَالَ لَا أُحِبُّ الْآفِلِينَ ○ فَلَمَّا رَأَى الْقَمَرَ بَازِغًا قَالَ هَٰذَا رَبِّي فَلَمَّا أَفَلَ قَالَ لَئِن لَّمْ يَهْدِنِي رَبِّي لَأَكُونَنَّ مِنَ الْقَوْمِ الضَّالِّينَ ○ فَلَمَّا رَأَى الشَّمْسَ بَازِغَةً قَالَ هَٰذَا رَبِّي هَٰذَا أَكْبَرُ فَلَمَّا أَفَلَتْ قَالَ يَا قَوْمِ إِنِّي بَرِيءٌ مِّمَّا تُشْرِكُونَ ○﴾

(الانعام:76تا78)

ترجمہ: چنانچہ جب ان پر رات چھائی تو انہوں نے ایک ستارا دیکھا، کہنے لگے: یہ میرا رب ہے۔ پھر جب وہ ڈوب گیا تو انہوں نے کہا: میں ڈوبنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔ پھر جب انہوں نے چاند کو چمکتے دیکھا تو کہا کہ یہ میرا رب ہے لیکن جب وہ بھی ڈوب گیا تو کہنے لگے: اگر میرا رب مجھے ہدایت نہ دے تو میں یقیناً گمراہ لوگوں میں شامل ہو جاؤں۔ پھر جب انہوں نے سورج کو چمکتے دیکھا تو کہا: یہ میرا رب ہے، یہ زیادہ بڑا ہے۔ پھر جب وہ غروب ہوا تو انہوں نے کہا: اے میری قوم! جن جن چیزوں کو تم اللہ کی خدائی میں شریک قرار دیتے ہو میں ان سب سے بیزار ہوں۔

جواب:

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ستاروں وغیرہ کے خدا ہونے کا اقرار نہیں کیا بلکہ اپنی قوم سے بطور استفہام کے فرمایا: "ھذا ربی؟" کہ تمہارا کیا خیال ہے کہ یہ ستارا میرا رب ہے؟ پھر ستارہ کے چھپنے کے بعد خود اس کا جواب دلیل کے ساتھ ارشاد فرمایا:

لَا أُحِبُّ الْآفِلِينَ. (الانعام:76)

کہ جو ڈوب جائے، چھپ جائے میں کبھی اس سے محبت نہیں کرتا اسے خدا کیسے مان لوں گا؟

اور جب چاند کے متعلق سوال کیا تو اس کے چلے جانے کے بعد بھی خود ہی جواب دیا کہ:

لَئِن لَّمْ يَهْدِنِي رَبِّي لَأَكُونَنَّ مِنَ الْقَوْمِ الضَّالِّينَ. (الانعام:77)

کہ اگر میرا خدا مجھے ہدایت نہ دیتا تو میں بھی گمراہ ہو جاتا۔ اس کا معنیٰ یہ کہ آپ چاند کے معبود ہونے کے مقر نہیں بلکہ منکر تھے۔

اور جب سورج کے متعلق سوال کیا تو اس کے غروب ہونے کے بعد بھی خود ہی جواب دیا کہ:

يَا قَوْمِ إِنِّي بَرِيءٌ مِّمَّا تُشْرِكُونَ ○ إِنِّي وَجَّهْتُ وَجْهِيَ لِلَّذِي فَطَرَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ حَنِيفًا وَمَا أَنَا مِنَ الْمُشْرِكِينَ.

(الانعام:78،79)

کہ اے میری قوم! میں تمہارے شرک سے اعلان برات کرتا ہوں، میں تو یکسو ہو کر اس اللہ کی عبادت کرتا ہوں جو آسمان و زمین کا خالق ہے اور میں مشرکین میں سے نہیں ہوں۔

اعتراض نمبر 2:

جب قوم نے آپ کو میلہ پہ جانے کی دعوت دی تو...

فَنَظَرَ نَظْرَةً فِي النُّجُومِ ○ فَقَالَ إِنِّي سَقِيمٌ. (الصافات:88،89)

ترجمہ: آپ نے ایک نظر ستاروں کو دیکھا اور فرمایا میری طبیعت خراب ہے۔

حالانکہ آپ بالکل ٹھیک تھے۔ صحت مند بندے کا اپنے آپ کو بیمار کہنا جھوٹ ہوتا ہے۔

جواب:

"إِنِّي سَقِيمٌ" کہنا یہ بطور توریہ تھا توریہ کا مطلب ایسا لفظ بولنا جس کے دو مطلب ہوں ایک قریبی دوسرا بعیدی۔ سامع معنیٰ اور سمجھے جبکہ متکلم کے ذہن میں معنیٰ اور ہو۔ قوم حضرت ابراھیم کے اس فرمان سے سمجھی کہ آپ بیمار ہیں جبکہ آپ کا مطلب تھا تمہارا کفر، شرک اور رسم ورواج دیکھ کر مجھے روحانی طور پہ بہت تکلیف ہوتی ہے۔

اور اس توریہ کی مثالیں کتب احادیث وغیرہ میں موجود ہیں مثلاً

[1]: ہجرت کی رات جب حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ حضور علیہ السلام کو لے کر مدینہ کی طرف روانہ ہوئے راستہ میں لوگ پوچھتے ابو بکر آپ کے ساتھ کون ہے؟ تو آپ جواب دیتے:

هَذَا الرَّجُلُ يَهْدِينِي السَّبِيلَ قَالَ فَيَحْسِبُ الْحَاسِبُ أَنَّهُ إِنَّمَا يَعْنِي الطَّرِيقَ وَإِنَّمَا يَعْنِي سَبِيلَ الْخَيْرِ.

(صحیح البخاری: کتاب فضائل الصحابۃ. بَاب هِجْرَةِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأَصْحَابِهِ إِلَى الْمَدِينَةِ)

ترجمہ: یہ ایسا شخص ہے جو مجھے راستہ دکھاتا ہے لوگ دنیا کا راستہ سمجھتے جبکہ حضرت صدیق بھلائی، اسلام اور جنت کا راستہ مراد لیتے

[2]: عن انس عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال لامرأۃ عجوز إنہ لا تدخل الجنۃ عجوز فقالت: وما لھن وکانت تقرأ القرآن .فقال لھا أما تقرئین القرآن (إِنَّا أَنْشَأْنَاهُنَّ إِنْشَاءً فَجَعَلْنَاهُنَّ أَبْكَارًا)

(مشکوۃ المصابیح: باب المزاح الفصل الثانی)

ترجمہ: حضرت انس بن مالک سے مروی ہے کہ حضور علیہ السلام نے بوڑھی عورت کو فرمایا کہ کوئی بڑھیا جنت میں نہیں جائے گی اس نے پریشان ہو کے عرض کیا حضور بوڑھی عورتیں بھی تو قرآن پڑھتی ہیں پھر جنت میں کیوں نہ جائیں گی؟ آپ علیہ السلام نے فرمایا کیا تم نے قرآن میں یہ نہیں پڑھا کہ ہم ان عورتوں کو جوان بنا کر جنت میں داخل کریں گے۔

اعتراض نمبر 3:

قوم کے میلے پر جانے کے بعد حضرت ابراہیم علیہ السلام نے خود بتوں کو توڑا مگر قوم کے پوچھنے پر فرمایا:

بَلْ فَعَلَهُ كَبِيرُهُمْ هٰذَا فَاسْأَلُوهُمْ إِنْ كَانُوا يَنْطِقُونَ. (الانبیاء: 63)

ترجمہ: بلکہ یہ حرکت اس بڑے بت کی ہے اگر یہ بول سکتے ہیں تو انہی سے پوچھ لو۔

خلاف واقعہ بات کہنا جھوٹ ہوتا ہے!

جواب:

"بَلْ فَعَلَهُ كَبِيرُهُمْ هٰذَا" جب قوم نے پوچھا کہ یہ حال کس نے کیا ہے؟ تو آپ نے جواب دیا: جس نے بھی کیا ہے، فی الحال اسے چھوڑو، یہ جو بڑا تمہارے سامنے کھڑا ہے اور آلہ قتل بھی اس کے پاس ہے اسی سے پوچھ لو۔ تو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے یہ بات بطور تعریض کے فرمائی۔ تعریض کا مطلب ایسی بات کرنا کہ مخالف بھی لاجواب ہو جائے۔

اعتراض نمبر 4:

آپ علیہ السلام نے اپنی بیوی سارہ کے بارے فرمایا کہ یہ میری بہن ہے۔ حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"بَيْنَا هُوَ ذَاتَ يَوْمٍ وَسَارَةُ إِذْ أَتَى عَلَى جَبَّارٍ مِنَ الْجَبَابِرَةِ فَقِيلَ لَهُ إِنَّ هَا هُنَا رَجُلًا مَعَهُ امْرَأَةٌ مِنْ أَحْسَنِ النَّاسِ فَأَرْسَلَ إِلَيْهِ فَسَأَلَهُ عَنْهَا فَقَالَ مَنْ هَذِهِ قَالَ أُخْتِي"

(صحیح البخاری: کتاب الانبیاء. بَاب قَوْلِ اللَّهِ تَعَالَى وَاتَّخَذَ اللَّهُ إِبْرَاهِيمَ خَلِيلًا)

ترجمہ: ایک دن حضرت ابراہیم اور سیدہ سارہ ایسے علاقہ سے گزرے جہاں کا بادشاہ ظالم تھا اسے بتایا گیا کہ ایک مسافر ہے جس کے ساتھ خوب صورت عورت ہے بادشاہ نے حضرت ابراھیم سے پوچھا یہ عورت کون ہے؟ آپ نے فرمایا میری بہن ہے۔

بیوی کو بہن کہنا خلاف واقعہ ہونے کی وجہ سے جھوٹ ہوتا ہے اور حدیث میں بھی اسے جھوٹ ہی کہا گیا ہے اور جھوٹ بولنا عصمت کے منافی ہے۔

جواب:

حضرت سارہ کو اپنی بہن کہنا اس کی وضاحت خود حدیث میں موجود ہے جب حضرت ابراہیم بادشاہ کی دربار سے واپس حضرت سارہ کے پاس آئے تو انہیں ساری صورت حال سے آگاہ کیا اور بہن کہنے کی وجہ یہ بیان فرمائی:

"لَيْسَ عَلَى وَجْهِ الْأَرْضِ مُؤْمِنٌ غَيْرِي وَغَيْرُكِ"

(صحیح البخاری: کتاب الانبیاء بَاب قَوْلِ اللَّهِ تَعَالَى وَاتَّخَذَ اللَّهُ إِبْرَاهِيمَ خَلِيلًا)

کہ اس وقت میرے اور تمہارے علاوہ یہاں کوئی مومن نہیں۔ یعنی آپ نے ایمانی اعتبار سے بہن فرمایا جو اپنی جگہ بالکل درست ہے۔

اور اس کی مثال بھی کتب حدیث میں موجود ہے مثلاً

"عَنْ عُرْوَةَ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَطَبَ عَائِشَةَ إِلَى أَبِي بَكْرٍ فَقَالَ لَهُ أَبُو بَكْرٍ إِنَّمَا أَنَا أَخُوكَ فَقَالَ أَنْتَ أَخِي فِي دِينِ اللَّهِ وَكِتَابِهِ وَهِيَ لِي حَلَالٌ"

(صحیح البخاری: کتاب النکاح بَاب تَزْوِيجِ الصِّغَارِ مِنَ الْكِبَارِ)

ترجمہ: حضرت عروہ سے روایت ہے حضور علیہ السلام نے حضرت ابو بکر صدیق سے حضرت عائشہ کا رشتہ مانگا تو آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا حضور میں تو آپ کا بھائی ہوں (اس نسبت سے تو میری بیٹی عائشہ آپ کی بھتیجی ہوئی تو بھتیجی سے نکاح کیسے ہو سکتا ہے؟) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ آپ میرے دینی بھائی ہیں لہذا نکاح جائز ہے۔

باقی حدیث پاک میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ان باتوں کو کذب اس وجہ سے فرمایا کہ دیکھنے والے کو کذب اور جھوٹ نظر آرہا تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆

حضرت موسیٰ علیہ السلام پر اعتراضات کے جوابات

اعتراض نمبر 1:

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ایک قبطی کو جان سے مار دیا۔ ارشاد باری ہے:

وَدَخَلَ الْمَدِينَةَ عَلَى حِينِ غَفْلَةٍ مِنْ أَهْلِهَا فَوَجَدَ فِيهَا رَجُلَيْنِ يَقْتَتِلَانِ هَذَا مِنْ شِيعَتِهِ وَهَذَا مِنْ عَدُوِّهِ فَاسْتَغَاثَهُ الَّذِي مِنْ شِيعَتِهِ عَلَى الَّذِي مِنْ عَدُوِّهِ فَوَكَزَهُ مُوسَى فَقَضَى عَلَيْهِ قَالَ هَذَا مِنْ عَمَلِ الشَّيْطَانِ إِنَّهُ عَدُوٌّ مُضِلٌّ مُبِينٌ ○ قَالَ رَبِّ إِنِّي ظَلَمْتُ نَفْسِي فَاغْفِرْ لِي فَغَفَرَ لَهُ إِنَّهُ هُوَ الْغَفُورُ الرَّحِيمُ ○.

(سورۃ القصص آیت 15، 16)

ترجمہ: وہ شہر میں ایسے وقت میں داخل ہوئے جس وقت اس کے باشندے غفلت میں تھے تو انہوں نے دیکھا کہ وہاں دو آدمی لڑ رہے ہیں۔ ایک تو ان کی برادرین کا تھا اور دوسرا ان کی دشمن قوم کا۔ اب جو شخص ان کی برادری کا تھا اس نے انہیں ان کی دشمن قوم کے آدمی کے مقابلے میں مدد کے لیے پکارا۔ اس پر موسیٰ نے اس کو مکا مارا جس نے اس کا کام تمام کر دیا۔ پھر انہوں نے پچھتا کر کہا کہ یہ تو کوئی شیطان کی کارروائی ہے۔ بے شک

وہ ایک کھلا دشمن ہے جو غلط راستے پر ڈل دیتا ہے۔ کہنے لگے: اے میرے رب! میں نے اپنی جان پر ظلم کر لیا، آپ مجھے معاف فرما دیجیے! چنانچہ اللہ نے انہیں معاف فرما دیا۔ یقیناوہی ہے جو بہت بخشنے والا بر امہربان ہے۔

معلوم ہوا کہ آپ نے قبطی کو ظلما قتل کیا جو عصمت کے منافی ہے۔

جواب:

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ارادہ قتل کا نہ تھا، اصل مقصد ظالم سے مظلوم کو چھڑانا تھا جب نہ چھوڑا تو ایک مکا لگا دیا وہ نبی کی طاقت کے وار کو برداشت نہ کر سکا اور مر گیا۔ "عمل شیطان" کہنے کا مطلب یہ ہے کہ جو شخص مستحق قتل نہ ہو اسے قتل کرنا یہ شیطانی عمل ہے اور میرا ارادہ قتل کا ہر گز نہ تھا لیکن پھر بھی اس پہ معافی مانگتا ہوں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنے اس عمل کو "ظلم" سے تعبیر کیا اور فرمایا: "ظَلَمْتُ نَفْسِي"، اللہ تعالیٰ نے ان کی الفاظ کو نقل فرما دیا جبکہ پورے قرآن میں کہیں یہ نہیں آیا کہ "ظلمتَ نفسَكَ" اے موسیٰ! تم نے اپنے آپ پر ظلم کیا ہے۔

اعتراض نمبر2:

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ أُرْسِلَ مَلَكُ الْمَوْتِ إِلَى مُوسَى عَلَيْهِمَا السَّلَام فَلَمَّا جَاءَهُ صَكَّهُ فَرَجَعَ إِلَى رَبِّهِ فَقَالَ أَرْسَلْتَنِي إِلَى عَبْدٍ لَا يُرِيدُ الْمَوْتَ فَرَدَّ اللَّهُ عَلَيْهِ عَيْنَهُ وَقَالَ ارْجِعْ فَقُلْ لَهُ يَضَعُ يَدَهُ عَلَى مَتْنِ ثَوْرٍ فَلَهُ بِكُلِّ مَا غَطَّتْ بِهِ يَدُهُ بِكُلِّ شَعْرَةٍ سَنَةٌ قَالَ أَيْ رَبِّ ثُمَّ مَاذَا قَالَ ثُمَّ الْمَوْتُ قَالَ فَالْآنَ {الحدیث}

(صحیح البخاری: کتاب الجنائز بَابُ مَنْ أَحَبَّ الدَّفْنَ فِي الْأَرْضِ الْمُقَدَّسَةِ أَوْ نَحْوِهَا)

ترجمہ: حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ملک الموت کو حضرت موسیٰ علیہ السلا کی طرف بھیجا گیا جب وہ ان کے پاس آئے تو انہوں نے ان کو تھپڑ دے مارا (جس سے ان کی آنکھ پھوٹ گئی) حضرت عزرائیل علیہ السلام اللہ کی بارگاہ میں حاضر ہوئے اور عرض کیا یا باری تعالیٰ آپ نے مجھے ایسے بندے کے پاس بھیجا جو موت نہیں چاہتا اللہ تعالیٰ نے فرمایا دوبارہ ان کے پاس جاو اور کہو اپنا ہاتھ بیل کی کمر پہ رکھے اس کے ہاتھ کے نیچے جتنے بال آئیں گے اتنے سال عمر بڑھا دی جائے گی۔ ملک الموت واپس آئے اور یہ بات کی تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے پوچھا اس کے بعد کیا ہو گا؟ فرمایا موت۔ تو موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا پھر میں ابھی ہی تیار ہوں

اگر عام آدمی کسی دوسرے کی آنکھ نکال دے تو فاسق اور باغی ہو گا تو نبی کا ایسا کرنا زیادہ ظلم اور فسق ہے جو عصمت کے منافی ہے۔

جواب:

چونکہ فرشتہ ان کے گھر میں بغیر اجازت کے داخل ہو گیا تھا آپ نے اسے پہچانا نہیں اس لئے اسے تھپڑ مارا اور آنکھ نکالنے کا ارادہ نہ تھا۔ بلا اجازت مکان میں جھانکنے والے کی آنکھ پھوڑنے پر کوئی گناہ بھی نہیں۔ حدیث پاک میں ہے:

"عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَوْ أَنَّ رَجُلًا اطَّلَعَ عَلَيْكَ بِغَيْرِ إِذْنٍ فَخَذَفْتَهُ بِحَصَاةٍ فَفَقَأْتَ عَيْنَهُ مَا كَانَ عَلَيْكَ مِنْ جُنَاحٍ"

(صحیح مسلم: باب تحریم النظر فی بیت غیرہ)

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر کوئی آدمی تیرے گھر میں بغیر اجازت کے جھانکے تو تو اسے کنکری مارے یا اس کی آنکھ پھوڑ دے تو تجھ پہ کوئی گناہ نہ ہو گا۔

باقی رہی یہ بات کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ملک الموت کو پہچانا نہیں تو یہ کوئی قابل اعتراض بات نہیں کیونکہ...

- حضرت براہیم علیہ السلام کے پاس فرشتے انسانی شکل میں آئے تھے تو آپ نے ان کو نہ پہچانا

وَلَقَدْ جَاءَتْ رُسُلُنَا إِبْرَاهِيمَ بِالْبُشْرَى قَالُوا سَلَامًا قَالَ سَلَامٌ فَمَا لَبِثَ أَنْ جَاءَ بِعِجْلٍ حَنِيذٍ. (ھود:69)

ترجمہ: اور ہمارے فرشتے ابراہیم کے پاس خوشخبری لے کر آئے، انہوں نے سلام کہا، ابراہیم نے بھی سلام کہا۔ پھر ابراہیم کو کچھ دیر نہ گزری تھی کہ وہ (ان کی مہمانی کے لیے) ایک بھنا ہوا بچھڑا لے آئے۔

♦ حضرت لوط علیہ السلام کے پاس آئے تو آپ نے بھی نہ پہچانا

وَلَمَّا جَاءَتْ رُسُلُنَا لُوطًا سِيءَ بِهِمْ وَضَاقَ بِهِمْ ذَرْعًا وَقَالَ هَذَا يَوْمٌ عَصِيبٌ. (ھود:77)

ترجمہ: اور جب ہمارے فرشتے لوط کے پاس پہنچے تو وہ ان کی وجہ سے گھبرائے، ان کا دل پریشان ہوا اور وہ کہنے لگے: آج کا یہ دن بہت کٹھن ہے۔

♦ حضرت مریم کے پاس حضرت جبرائیل آئے تو انہوں نے بھی نہ پہچانا

فَاتَّخَذَتْ مِن دُونِهِمْ حِجَابًا فَأَرْسَلْنَا إِلَيْهَا رُوحَنَا فَتَمَثَّلَ لَهَا بَشَرًا سَوِيًّا o قَالَتْ إِنِّي أَعُوذُ بِالرَّحْمَٰنِ مِنكَ إِن كُنتَ تَقِيًّا o

(مریم:17،18)

ترجمہ: پھر مریم نے ان لوگوں اور اپنے درمیان ایک پردہ ڈال لیا۔ اس موقع پر ہم نے ان کے پاس اپنی روح (یعنی حضرت جبرئیل علیہ السلام) کو بھیجا جو ان کے سامنے ایک مکمل انسان کی شکل میں ظاہر ہوا۔ مریم نے کہا میں تم سے خدائے رحمٰن کی پناہ مانگتی ہوں اگر تم میں خدا کا خوف ہے!

☆☆☆☆☆☆☆

حضرت یوسف علیہ السلام پر اعتراضات کے جوابات

اعتراض نمبر 1:

حضرت یوسف علیہ السلام نے عہدہ طلب کرتے ہوئے فرمایا:

"وَقَالَ الْمَلِكُ ائْتُونِي بِهِ أَسْتَخْلِصْهُ لِنَفْسِي فَلَمَّا كَلَّمَهُ قَالَ إِنَّكَ الْيَوْمَ لَدَيْنَا مَكِينٌ أَمِينٌ o قَالَ اجْعَلْنِي عَلَىٰ خَزَائِنِ الْأَرْضِ إِنِّي حَفِيظٌ عَلِيمٌ o وَكَذَٰلِكَ مَكَّنَّا لِيُوسُفَ فِي الْأَرْضِ يَتَبَوَّأُ مِنْهَا حَيْثُ يَشَاءُ نُصِيبُ بِرَحْمَتِنَا مَن نَّشَاءُ وَلَا نُضِيعُ أَجْرَ الْمُحْسِنِينَ o"

(سورۃ یوسف آیت 54،55،56)

ترجمہ: اور بادشاہ نے کہا کہ اسے میرے پاس لے آؤ، میں اسے خالص اپنا (معاون) بناؤں گا۔ چنانچہ جب (یوسف بادشاہ کے پاس گئے اور) بادشاہ نے ان سے باتیں کیں تو اس نے کہا: آج سے ہمارے پاس تمہارا بڑا مرتبہ ہو گا اور تم پر بھروسہ کیا جائے گا۔ یوسف نے کہا: آپ مجھے ملک کے خزانوں پر مقرر کر دیجیے، یقین رکھیے کہ مجھے حفاظت کرنا خوب آتا ہے اور میں (اس کام کا) پورا علم رکھتا ہوں۔ اور اس طرح ہم نے یوسف کو ملک میں ایسا اقتدار عطا کیا کہ وہ اس میں جہاں چاہیں اپنا ٹھکانا بنائیں۔ ہم اپنی رحمت جس کو چاہتے ہیں پہنچاتے ہیں اور نیک لوگوں کے اجر کو ضائع نہیں کرتے۔

حالانکہ عہدہ طلب کرنا درست نہیں؟

جواب:

اپنی ذات اور مفاد کے لئے عہدہ طلب کرنا جائز نہیں البتہ انسانیت کو نقصان سے بچانے کے لئے اور انسانیت کو نفع پہنچانے کے لئے عہدہ طلب کرنا جائز، مستحب ہے حضرت یوسف علیہ السلام سمجھتے تھے کہ اگر میں یہ عہدہ سنبھال لوں تو زیادہ فائدہ ہو گا اگر کوئی دوسرا آ گیا تو مخلوق خدا کو نقصان ہو گا۔ لہذا انہوں نے فرمایا کہ مجھے وزیر خزانہ بنا دو۔

اعتراض نمبر2:

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"فَلَمَّا جَهَّزَهُمْ بِجَهَازِهِمْ جَعَلَ السِّقَايَةَ فِي رَحْلِ أَخِيهِ ثُمَّ أَذَّنَ مُؤَذِّنٌ أَيَّتُهَا الْعِيرُ إِنَّكُمْ لَسَارِقُونَ" (سورۃ یوسف:70)

ترجمہ: پھر جب یوسف نے ان کا سامان تیار کر دیا تو پانی پینے کا پیالہ اپنے بھائی کے کجاوے میں رکھوا دیا، پھر ایک منادی نے پکار کر کہا: اے قافلے والو! تم چور ہو۔

حضرت یوسف علیہ السلام نے ان کو چور کہا حالانکہ وہ چور نہ تھے۔ کسی آدمی پہ الزام لگانا عصمت کے منافی ہے۔

جواب:

یہ آواز لگانے والے حضرت یوسف علیہ السلام نہیں تھے بلکہ قرآن نے "اذن مؤذن" کے الفاظ ذکر فرمائے ہیں۔

اعتراض نمبر3:

یہ اعلان کیا تو حضرت یوسف علیہ السلام کی رضامندی سے تھا۔

جواب:

اللہ نے سارا واقعہ ذکر کرنے کے بعد فرمایا:

كَذَٰلِكَ كِدْنَا لِيُوسُفَ مَا كَانَ لِيَأْخُذَ أَخَاهُ فِي دِينِ الْمَلِكِ إِلَّا أَنْ يَشَاءَ اللَّهُ نَرْفَعُ دَرَجَاتٍ مَنْ نَشَاءُ وَفَوْقَ كُلِّ ذِي عِلْمٍ عَلِيمٌ.

(یوسف:76)

ترجمہ: اس طرح ہم نے یوسف کی خاطر یہ تدبیر کی۔ اللہ کی یہ مشیت نہ ہوتی تو یوسف کے لیے یہ ممکن نہ تھا کہ وہ بادشاہ کے قانون کے مطابق اپنے بھائی کو اپنے پاس رکھ لیتے اور ہم جس کو چاہتے ہیں اس کے درجے بلند کر دیتے ہیں اور جتنے علم والے ہیں ان کے اوپر ایک بڑا علم رکھنے والا موجود ہے۔

ایسا کرنے کی اللہ نے خود اجازت دی، شریعت اللہ کی ہے تو اس کے احکامات کا حق بھی اللہ کو ہے اور "كذلك كدنا ليوسف" فرما کر تمام اعتراضات کے دروازے ہی بند فرما دیئے۔

شیخ التفسیر مولانا محمد ادریس کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ (ت1394ھ) فرماتے ہیں:

"یہ سب اللہ کے حکم سے تھا "لَا يُسْئَلُ عَمَّا يَفْعَلُ وَهُمْ يُسْأَلُونَ" [الانبیاء:23] اور حکمت اس میں یہ تھی کہ یوسف علیہ السلام کے بعد بنیامین کی مفارقت سے حضرت یعقوب علیہ السلام کے ابتلاء کی تکمیل ہو جائے۔" (معارف القرآن ج4 ص153)

☆☆☆☆☆☆☆

حضرت یونس علیہ السلام پر اعتراضات کے جوابات

اعتراض نمبر1:

حضرت یونس علیہ السلام کی قوم نے بات نہ مانی تو قوم کو کہا کہ تم پہ عذاب آئے گا قوم نے کہا کب؟ تو فرمایا کہ تین دن میں اور پھر اللہ کے حکم کے بغیر ہی بستی چھوڑ کر چلے گئے جس پہ اللہ نے تنبیہ فرمائی اور کئی دنوں تک مچھلی کے پیٹ میں رہنا پڑا۔

جواب:

اللہ تعالیٰ کی طرف سے عذاب کا وعدہ تھا۔ کب آئے گا؟ اس مدت کی تعیین نہیں تھی اب اس عذاب کی مدت متعین کرنا اور بستی چھوڑ کر جانا حضرت یونس علیہ السلام کا اجتہادی عمل تھا اور اجتہاد میں خطاء ہو سکتی ہے۔ باقی مچھلی کے پیٹ میں رہنا بطور امتحان تھا۔

اعتراض نمبر 2:

حضرت یونس علیہ السلام کے بارے فرمایا کہ:

"وَذَا النُّونِ إِذْ ذَهَبَ مُغَاضِبًا فَظَنَّ أَنْ لَنْ نَقْدِرَ عَلَيْهِ فَنَادَى فِي الظُّلُمَاتِ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا أَنْتَ سُبْحَانَكَ إِنِّي كُنْتُ مِنَ الظَّالِمِينَ"

(سورۃ الانبیاء: آیت 87)

ترجمہ: اور مچھلی والے (پیغمبر یعنی یونس علیہ السلام) کو دیکھو جب وہ خفا ہو کر چل کھڑے ہوئے تھے اور یہ سمجھے تھے کہ ہم ان کی کوئی پکڑ نہیں کریں گے۔ پھر انہوں نے اندھیروں میں یوں آواز لگائی: (یا اللہ) تیرے سوا کوئی معبود نہیں، تو ہر عیب سے پاک ہے، بے شک میں قصوروار ہوں۔

یہ تو قدرت باری کا انکار ہے جو عصمت کے منافی ہے

جواب:

لفظ نقدر کس سے مشتق ہے؟ اس میں تین احتمال ہیں:

۱: "قدرت" سے ۲: "قدر" سے ۳: "تقدیر" سے

اشکال تب ہے جب یہ "قدرت" سے مشتق ہو جبکہ یہاں یہ "قدر" یا "تقدیر" سے مشتق ہے۔

"قدرا" سے مشتق ہونے کی صورت میں مطلب ہو گا تنگی کرنا جیسے "یبسط الرزق لمن یشاء و یقدر" [الشوری: ۱۲] میں بھی تنگی اور کمی کے معنی میں استعمال ہوا ہے حضرت یونس نے یہ گمان کیا کہ یہاں سے جانے پر اللہ مجھ پر تنگی نہیں کریں گے۔

اگر "تقدیر" سے مشتق ہونے کی صورت میں مطلب ہو گا کہ اللہ میرے بارے میں تنگی کا فیصلہ نہیں فرمائیں گے۔

تفسیر خازن میں ہے کہ "ای لن نقضی علیه العقوبة" (تفسیر خازن ج2 ص292)

حضرت یونس سمجھتے تھے ہم ان کے بارے میں سزا کا فیصلہ نہیں کریں گے۔

☆☆☆☆☆☆☆

حضور علیہ السلام پر اعتراضات کے جوابات

اعتراض نمبر 1:

قرآن کریم اللہ تعالیٰ نے حضور علیہ السلام کو حکم دیا:

فَاصْبِرْ إِنَّ وَعْدَ اللَّهِ حَقٌّ وَاسْتَغْفِرْ لِذَنْبِكَ وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ بِالْعَشِيِّ وَالْإِبْكَارِ.

(سورۃ مؤمن: 55)

ترجمہ: صبر سے کام لو، یقیناً اللہ کا وعدہ سچا ہے اور اپنے قصور پر استغفار کرتے رہو اور صبح و شام اپنے پروردگار کی حمد کے ساتھ تسبیح کرتے رہو۔

فَاعْلَمْ أَنَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَاسْتَغْفِرْ لِذَنْبِكَ وَلِلْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ وَاللَّهُ يَعْلَمُ مُتَقَلَّبَكُمْ وَمَثْوَاكُمْ. (سورۃ محمد: آیت 19)

ترجمہ: یاد رکھو کہ اللہ کے علاوہ کوئی عبادت کے لائق نہیں ہے اور اپنے قصور پر بھی بخشش کی دعا مانگتے رہو اور مسلمان مردوں اور عورتوں کی بھی اور اللہ تم سب کی نقل و حرکت اور تمہاری قیام گاہ کو خوب جانتا ہے۔

اگر نبی معصوم ہے تو "ذنب" کی نسبت کیوں اور استغفار کیوں؟

جواب نمبر 1:

جہاں تک بات ہے استغفار کی تو استغفار کا معنی ہے طلب غفران اور غفران کا معنیٰ ہے "الستر" ڈھانپنا اور ڈھانپنے کی دو صورتیں ہیں:

1: گناہ سے ڈھانپ لیں کہ گناہ قریب ہی نہ آئے۔ یہ صورت نبی کے لئے ہے

2: رسوائی سے ڈھانپ لیں کہ اگر گناہ ہو جائے تو مخلوق پہ ظاہر نہ ہو یہ صورت امت کے لئے ہے۔

یا اسے یوں بھی کہا جا سکتا ہے کہ طلب غفران کا مطلب اللہ سے دعا کرنا کہ اللہ پاک رسوائی سے بچا لیں جس کی دو صورتیں ہیں:

1: اللہ گناہ سے ہی بچا لیں جیسے نبی

2: گناہ ہو جائے تو ستاری کی چادر ڈال دیں جیسے امت

امام فخر الدین محمد بن عمر الرازی (ت 604ھ) فرماتے ہیں:

وجه حسن مستنبط وهو ان المراد توفيق العمل الحسن واجتناب العمل السيئ ،ووجهه: ان الاستغفار طلب الغفران والغفران: هو الستر على القبيح ومن عصم فقد ستر عليه قبائح الهوى، ومعنى طلب الغفران: ان لا تفضحنا وذلك قد يكون بالعصمة منه فلا يقع فيه كما كان للنبي عليه السلام وقد يكون بالستر عليه بعد الوجود كما هو في المومنين والمومنات.

(تفسیر کبیر ج28 ص61)

اس کی بہترین توجیہ یہ ہے کہ اللہ سے دعا مانگیں کہ اچھے اعمال کی توفیق ہو اور گناہوں سے بچنے کی توفیق دے۔ اس کی مزید وضاحت یہ ہے کہ استغفار غفران طلب کرنے کا نام ہے اور غفران کا مطلب ہے قبیح چیز کو چھپا لینا اب جو آدمی گناہ سے بچ گیا تو اس کے حق میں قبیح چیز چھپ گئی اب "غفران" طلب کرنے کا مطلب یہ ہے کہ اے اللہ ہمیں رسوا نہ کرنا اور انسان کبھی گناہ نہ کر کے رسوائی سے بچ جاتا ہے جیسے نبی اور کبھی گناہ ہو جاتا ہے لیکن گناہ مخلوق کی نظر سے چھپ جاتا ہے جیسے عام مومن۔

جواب نمبر 2:

اس آیت میں ذنب کی اضافت ہے "ك" ضمیر کی طرف اور مراد حضور علیہ السلام کی ذات ہے اور لفظ کی اضافت و نسبت بدلنے سے معنیٰ بدل جاتا ہے جیسے لفظ محبت اگر ماں کی طرف منسوب ہو تو معنیٰ اور۔ بیٹی کی طرف منسوب ہو تو معنیٰ اور ہوتا ہے اگر بیوی کی طرف منسوب ہو تو معنیٰ اور۔ بہن کی طرف منسوب ہو تو معنیٰ اور ہوتا ہے۔ اسی طرح ذنب کی نسبت نبی کی طرف ہو تو معنیٰ اور امتی کی طرف ہو تو معنیٰ اور ہوتا ہے۔ نبی کی طرف نسبت ہو تو معنی "غیر اولیٰ کام، نسیان، سہو، زلت اجتہادی خطا" اور امتی کی طرف ہو تو معنی "معصیت" ہے۔

اعتراض نمبر 2:

إِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُبِينًا ○ لِيَغْفِرَ لَكَ اللَّهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِكَ وَمَا تَأَخَّرَ. (سورۃ الفتح آیت 1، 2)

ترجمہ: ہم نے آپ کو کھلم کھلا فتح عطا کی ہے تا کہ اللہ تمہاری اگلی پچھلی تمام خطاؤں کو معاف کر دے۔

اس آیت میں بھی ذنب کی مغفرت کی بات ہو رہی ہے اگر نبی معصوم ہو تو پھر مغفرت ذنب کا کیا معنیٰ؟

جواب:

"غفران" کا معنٰی ہے ڈھانپ لینا اور "ذنب" کا معنٰی ہے دم اور دم جانور کے پیچھے ہوتی ہے اس وجہ سے الزام کو بھی ذنب کہا جاتا ہے کہ انسان کسی پر الزام عموماً کمر کے پیچھے لگاتا ہے "ماتقدم" کا معنٰی ہے مکی زندگی اور "ماتاخر" کا معنٰی ہے مدنی زندگی اب آیت کا مطلب یہ ہوا کہ اے پیغمبر ہم نے آپ کو فتح عطا کر کے مخالف کو موافق، معترض کو محب بنادیں گے اس وقت جو آپ پر الزامات لگا رہے ہیں وہ آپ کی مدح کریں گے۔

آیت میں "ذنب" کا معنٰی گناہ ہے ہی نہیں ورنہ تو آیت کا مطلب ہو گا کہ ہم نے آپ کو فتح عطا فرمائی تا کہ آپ کے گناہ معاف کر دیں فتح کا مغفرت سے کیا تعلق؟ اس کے لئے تو یوں کہنا چاہئے تھا کہ ہم نے آپ کو توبہ کی توفیق دی تا کہ گناہ معاف کریں۔ فتح کے ساتھ تو یہ فرمانا چاہیے تھا کہ ہم نے فتح عطا کی تا کہ آپ ظلم کا بدلہ لیں، خلافت قائم کریں، حدود شرعیہ کا نفاذ کریں، اپنی طاقت کا اظہار کریں۔

اعتراض نمبر 3:

اللہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو فرمایا:

وَإِنْ كَادُوا لَيَفْتِنُونَكَ عَنِ الَّذِي أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ لِتَفْتَرِيَ عَلَيْنَا غَيْرَهُ وَإِذًا لَاتَّخَذُوكَ خَلِيلًا ○ وَلَوْلَا أَنْ ثَبَّتْنَاكَ لَقَدْ كِدْتَ تَرْكَنُ إِلَيْهِمْ شَيْئًا قَلِيلًا ○ إِذًا لَأَذَقْنَاكَ ضِعْفَ الْحَيَاةِ وَضِعْفَ الْمَمَاتِ ثُمَّ لَا تَجِدُ لَكَ عَلَيْنَا نَصِيرًا ○

(سورۃ الاسراء: آیت 73، 74، 75)

ترجمہ: اور (اے پیغمبر!) جو وحی ہم نے تمہارے پاس بھیجی ہے یہ (کافر) لوگ تمہیں فتنے میں ڈال کر اس سے ہٹانے لگے تھے تا کہ اس کے بجائے کوئی اور بات ہمارے نام پر گھڑ کر پیش کرو تو اس صورت میں یہ تمہیں اپنا گہرا دوست بنا لیتے۔ اور اگر ہم نے آپ کو ثابت قدم نہ بنایا ہوتا تو آپ بھی ان کی طرف کچھ کچھ جھکنے کے قریب جا پہنچتے اور اگر ایسا ہو جاتا تو ہم تمہیں دنیا میں بھی دوگنی سزا دیتے۔ اور مرنے کے بعد بھی دوگنی، پھر تمہیں ہمارے مقابلے میں کوئی مددگار نہ ملتا۔

معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کفار کی طرف مائل ہو چلے تھے اور کفر کی طرف میلان بھی گناہ ہے۔

جواب نمبر 1:

اگر سائل معصوم کا معنٰی سمجھ لیتا تو سوال ہی نہ کرتا کیونکہ معصوم کا معنٰی ہے اللہ اپنے نبی کو گناہ سے بچاتا ہے اور اس آیت سے بھی یہی ثابت ہو رہا ہے کہ اللہ بچاتے ہیں۔

جواب نمبر 2:

آیت کے الفاظ پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کی طبیعت و فطرت بھی بے حد سلیم ہے اتنی کہ آپ گناہ کو پسند ہی نہیں فرماتے اور اس پہ کئی قرائن اسی آیت میں موجود ہیں۔ مثلاً

1: کدت	2: ترکن	3: شئ
4: شیئاً پہ تنوین تنکیر	5: قلیل	6: قلیلاً پہ تنوین تنکیر

اعتراض نمبر 3:

"عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَتْ إِحْدَانَا إِذَا كَانَتْ حَائِضًا فَأَرَادَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ يُبَاشِرَهَا أَمَرَهَا أَنْ تَتَّزِرَ فِي فَوْرِ حَيْضَتِهَا ثُمَّ يُبَاشِرُهَا". (صحیح البخاری: کتاب الحیض باب مُبَاشَرَةِ الْحَائِضِ)

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ جب ازواج مطہرات میں سے کسی کو حیض آتا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس سے اختلاط فرمانا

چاہتے تو آپ بیوی کو حکم دیتے کہ غلبہ حیض کی حالت میں ازار باندھ لے اس کے بعد آپ مباشرت فرماتے۔

جبکہ قرآن میں اس سے منع کیا گیا ہے:

هُوَ أَذًى فَاعْتَزِلُوا النِّسَاءَ فِي الْمَحِيضِ وَلَا تَقْرَبُوهُنَّ حَتَّى يَطْهُرْنَ. (سورۃ البقرہ آیت 222)

ترجمہ: وہ (حیض) گندگی ہے، لہذا حیض کی حالت میں عورتوں سے الگ رہو اور جب تک وہ پاک نہ ہو جائیں ان سے قربت مت کرو!

گویا نبی ایسا کام کر رہا ہے کہ جس سے اللہ نے منع کیا ہے۔

جواب:

"مباشرت" کا اصل مفہوم محض بدن کا بدن کو چھونا ہے چنانچہ امام ابو بکر جصاص الحنفی (ت 370ھ) مباشرت کے متعلق فرماتے ہیں:

"هي إلصاق البشرة بالبشرة من أي موضع كان من البدن"

(احکام القرآن: ج1 ص306)

ترجمہ: مباشرت کا حقیقی معنی ہے بدن کا بدن سے ملانا خواہ جس حصہ سے ہو۔

جبکہ مجامعت کیلئے یہ لفظ بطور کنایہ استعمال ہو گا۔ صحیح بخاری میں بھی لفظ مباشرت اپنے اصلی اور حقیقی معنی میں استعمال ہوا ہے مثلاً کتاب النکاح کے ایک باب کا عنوان ہے: بَاب لَا تُبَاشِرِ الْمَرْأَةُ الْمَرْأَةَ.

فائدہ:

ایام کی حالت میں وظیفہ زوجیت ادا کرنا سخت حرام ہے بلکہ ناف سے لے کر گھٹنے تک کے حصے کو بلا پردہ مس کرنا بھی جائز نہیں۔ اس کے علاوہ باقی بدن کو مس کرنا جائز ہے۔ علامہ محمد امین ابن عابدین شامی حنفی (ت 1252ھ) لکھتے ہیں:

فَيَجُوزُ الِاسْتِمْتَاعُ بِالسُّرَّةِ وَمَا فَوْقَهَا وَالرُّكْبَةِ وَمَا تَحْتَهَا وَلَوْ بِلَا حَائِلٍ، وَكَذَا بِمَا بَيْنَهُمَا بِحَائِلٍ بِغَيْرِ الْوَطْءِ.

(رد المحتار: ج2 ص390)

ترجمہ: (حالت حیض میں عورت کے) ناف اور اس کے اوپر کے حصہ اسی طرح گھٹنہ اور اس کے نیچے کے حصہ سے نفع اٹھانا جائز ہے اگرچہ بغیر پردہ کے ہو۔ اسی طرح ناف اور گھٹنے کے درمیانی حصہ سے پردہ کے ساتھ بغیر مجامعت کیے نفع اٹھانا بھی جائز ہے۔